حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

دقائق اسلام

سرگودھا

فروری ۲۰۱۵ء

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّلْ فَرَجَهُمْ

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا
فون: 048-3021536
Website: www.sibtain.com Emails: smi51214@gmail.com Sultanulmadarisislamia@gm

جلد ۱۹ فروری ۲۰۱۵ء شمارہ ۲

فہرست مضامین

مُدیرِ اعلیٰ: ملک مُمتاز حسین اعوان

مُدیر: گلزار حسین محمدی

پبلشر: ملک مُمتاز حسین اعوان

مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت: جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ: الخطّاط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون: 048-3021536

زرِ تعاون 400 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

پشاور لہولہو

آرمی پبلک سکول پشاور میں دہشت گردوں نے نونہالانِ قوم کو خون میں نہلا دیا۔ ڈیڑھ سو کے قریب طلباء اور ملازمین سکول موت کے گھاٹ اتار دیے۔ درندہ صفت دہشت گردوں نے ظلم و بربریت کی انتہا کر دی۔ معصوم بچے بھاگتے چھپتے رہے مگر ان ظالموں نے کسی کے سر اور کسی کے سینے میں گولیوں کی بوچھاڑ کر کے مار ڈالا۔

برسوں سے قتل و غارت اور دہشت گردی کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ کتنے بچے یتیم ہوئے اور کتنی عورتیں بیوہ اور کتنی ماؤں کے پیارے بچے موت کی آغوش میں سلا دیے گئے۔ دہشت گرد کس قدر سفاک ہیں، ان کے دل میں رحم اور انسانیت کی بُو نہیں ہے۔ اپنے آپ کو یہ مسلمان اور مذہب کے ٹھیکیدار کہلانے والے نہ تو انسان ہیں اور نہ مسلمان ہیں۔ غیر ملکی آقاؤں کے ایجنڈے پر کام کرنے والے کرائے کے یہ قاتل کسی نرمی اور ہمدردی کے قابل نہیں ہیں۔ آرمی پبلک سکول پر حملہ نے لوگوں کے دلوں کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔

پاکستان کے سیاست دان دہشت گردوں کے قلع قمع کے لیے متحد ہو چکے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف قانون سازی کی جا چکی ہے۔ مذہب کے نام پر کچھ جماعتیں ان قوانین کے خلاف واویلا مچا رہی ہیں۔ مگر حکومت وقت اور افواج پاکستان پورے وثوق اور بہادری سے دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے کمر بستہ ہیں۔ عوام اپنی بہادر افواج کے شانہ بشانہ ہیں۔ جنوبی وزیرستان میں ضرب عضب کامیابی سے جاری و ساری ہے۔ دیگر شہروں اور قصبوں میں بھی دہشت گردوں کا تعاقب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور قومی اسمبلی اور سینٹ سے آئینی ترامیم منظور ہو چکی ہیں۔ جس کے بعد دہشت گردوں کے لیے فوجی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔ تا کہ جلد مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ پاکستان کے قومی ادارے اور خفیہ ایجنسیاں دیانت داری سے کام نہیں کر رہی ہیں اور سیکورٹی ادارے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں غفلت اور تساہل کا شکار ہیں۔ یہ وقت نہایت دیانت داری اور فرض شناسی سے کام کرنے کا ہے۔ ملک کے تمام طبقات کو اس وقت حکومت اور افواجِ پاکستان کے ساتھ یکجہتی اور حمایت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور دہشت گردوں کی پناہ گاہوں اور مددگاروں کی اطلاع سیکورٹی اداروں کو دے کر اپنی قومی ذمہ داری سے پوری طرح عہدہ برآ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ آرمی پبلک سکول پشاور میں دہشت گردی کے شکار ہونے والے بچوں اور افراد کے پسماندگان اور لواحقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ نیز اللہ تعالیٰ حکومت اور افواج پاکستان کو دہشت گردی کے خاتمے کے لیے کامیابی عطا فرمائے۔

باب العقائد

وسیلہ والا عقیدہ اور اس سلسلہ میں ائمہ اطہار کے اصحاب اخیار کا طریقہ کار

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ خداوند عالم براہِ راست بھی حاجت مندوں کی حاجتیں روا کرتا ہے اور مُضطروں کی دعا و پکار سنتا اور قبول کرتا ہے۔ (ادعونی استجب لکم) اور اس کی رحمتِ رحمانیہ کائنات کی ہر شئے کے شامل حال ہے۔ بقول شاعر:

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خود خواری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری
(سعدی شیرازیؒ)

مگر اپنی گنہگاریوں اور بدکاریوں کے پیشِ نظر اس کی بارگاہ میں اپنی حاجت برآری، دعا کی قبولیت، بخشش گناہان اور دینی و دنیوی نیل مرام کے لیے مقربانِ بارگاہ یعنی انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کا وسیلہ و واسطہ دینا خود قرآن کی آیات، انبیاء و ائمہ کے روایات و ادعیہ جات سے ثابت ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

مگر وسیلہ کا وہ مفہوم "کلمة حق یراد بها الباطل" کا مصداق ہے جو بعض بدعقیدہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ ذواتِ مقدسہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں اور اس طرح یہ واسطہ فیض ہیں، بلکہ اس کا صاف و سادہ اور صریح مطلب یہ ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کا واسطہ دے کر بارگاہ خداوندی میں دعا و التجا کی جائے کہ وہ ان کے صدقے میں ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور ہماری دینی و دنیوی حاجات برلائے اور مشکلات آسان فرمائے، ہمارے گناہ معاف فرمائے اور ان کے وسیلے سے ہمیں دارین کی سعادت سے مالامال فرمائے۔

قل هذه تذكرة فمن شاء ذكره

مُتعلقہ مسئلہ میں ائمہ اطہارؑ کے اصحاب اخیار کا طریقہ کار

ان ہادیانؑ کی اسی تعلیم و تلقین کا نتیجہ تھا کہ ان کے اصحاب باصفا ہمیشہ ان امور میں ان بزرگواروںؑ سے صرف بارگاہ خداوندی میں دعاء و سفارش کرنے کی استدعا کیا کرتے تھے۔ یہ کبھی استدعا نہیں کی تھی کہ آپؑ ہمیں اولاد دیں، یا روزی فراخ کریں یا ہمارے بیمار کو شفا دیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ طریقہ کار تعلیماتِ قرآن اور اہل بیتؑ کے فرمان کے خلاف ہے۔ ذیل میں ان اصحابِ اخیار کے صحیح طریقہ کار کے چند واقعات جلائے ایمانی کی خاطر درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) مُفضل بن قیس بیان کرتے ہیں کہ: دخلت علی ابی عبداللہ فشکوت الیه بعض حالی و سالته الدعاء۔ یعنی

میں حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے دعا کرنے کی استدعا کی۔ آں جنابؑ نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ وہ تھیلی لاؤ جو ابو جعفر (منصور دوانقی) نے بھیجی ہے۔ چنانچہ کنیز نے وہ تھیلی پیش کی جس میں چار سو دینار تھے۔ امامؑ نے وہ تھیلی مجھے عطا فرما دی۔ میں نے عرض کیا: لا واللہ جعلت فداک ما اردت ھذا ولکن اردت الدعائ۔ میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں۔ بخدا میری گزارش کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ میرا مقصد تو صرف دعا کرنے کی استدعا کرنا تھا۔ فرمایا: ولا ادع الدعاء۔ میں دعا بھی ترک نہیں کروں گا۔ (رجال کشی صفحہ ۱۲۱)

② اسی طرح شاذویہ بن الحسین بن داؤد القمی کا بیان ہے: دخلت علی ابی جعفر و باھلی حبل فقلت جعلت فداك ادع اللہ ان یرزقنی ولدا ذکرا۔ یعنی میں حضرت امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان ہوں۔ آپؑ میرے لیے خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ مجھے اولاد نرینہ عطا کرے۔ راوی کہتا ہے: فاطرق ملیا ثم رفع راسہ فقال فان اللہ یرزقك غلاما ذکرا ثلٰثہ۔ امامؑ کچھ دیر سر جھکائے بیٹھے رہے، پھر سر بلند کر کے فرمایا: خدا تمھیں فرزند نرینہ عطا کرے گا۔ (رجال کشی صفحہ ۳۵۸)

③ عبدالرحمٰن بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس جناب امام موسیٰ کاظمؑ کا بہت سا مال (بظاہر خمس) تھا۔ چنانچہ ایک سال میں (مدینہ) گیا اور جناب علی بن یقطین نے مجھے آنجنابؑ کے نام ایک مکتوب دیا۔ جس میں آنجناب سے التماس دعا کیا تھا۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی کاروبار اور خدمت امامؑ میں مال پہنچانے سے فارغ ہو چکا تو عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ سالنی علی بن یقطین ان تدعو اللہ لہٗ۔ علی بن یقطین نے مجھ سے کہا تھا کہ آپؑ سے ان کے لیے دعا کریں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: للآخرۃ؟ آیا آخرت کے لیے دعا کرنے کی استدعا کروں۔ میں نے عرض کیا: نعم۔ (ہاں) عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ یہ سنتے ہی امامؑ نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھتے ہوئے فرمایا: ضمنت لعلی بن یقطین ان لا تمسہ النار ابداً۔ میں علی بن یقطین کا ضامن ہوں کہ ان کو کبھی آتش جہنم نہیں چھوئے گی۔ (رجال کشی صفحہ ۲۷۰) ھنیئا لہ الجنہ۔ زہے نصیب۔ سچ ہے ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

رزقنا اللہ دعائھم و شفاعتھم فی الدنیا و الآخرۃ

④ علماء اعلام کا بھی ہمیشہ سے اسی طریقہ پر عمل درآمد رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی اور دیگر بعض علماء اعلام نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ کے والد ماجد حضرت شیخ علی بن الحسین القمی کے ہاں اپنی چچا زاد بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انھوں نے جناب ابوالقاسم حسین بن روحؒ (نائب خاص حضرت حجتؑ) کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا۔ جس میں ان سے استدعا کی کہ حضرت امام العصرؑ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ میرے لیے بارگاہ رب العزت میں اولاد کے لیے دعا فرمائیں۔ چنانچہ جناب ابوالقاسمؒ نے جناب شیخ کی

باقی صفحہ ۴۰ پر

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

عبادت کی غرض و غایت

اس میں کوئی شک نہیں کہ خالق حکیم نے ہمیں اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ اسی عبادت کو ہی غرض خلقت قرار دیا ہے۔ (کما تقدم)

اور یہ بات بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ: "فعل الحکیم لا یخلو من الحکمۃ"۔ "کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا"۔ اور یہ حقیقت بھی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ خداوند عالم غنی مطلق اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے۔ اس لیے اس عبادت کا فائدہ اس کی طرف تو عائد نہیں ہوسکتا۔ اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی بازگشت ہماری طرف ہے۔ اب وہ ہمارا کون سا فائدہ ہے؟ اس سوال کا جواب خالق اکبر نے اس آیت میں دیا ہے، ارشاد فرماتا ہے:

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ۔ ۳)

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا، تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

اس آیت مبارکہ سے بعبارۃ النص ظاہر ہوگیا کہ عبادت کی غرض و غایت تقویٰ کا حاصل کرنا ہے۔

تقویٰ کا صحیح مفہوم

اب رہی یہ بات کہ تقویٰ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ تو واضح ہو کہ تقویٰ انسان کے دل و دماغ کی اس کیفییت کا نام ہے کہ جس سے دل میں تمام اچھے کام بجالانے کی تحریک اور تمام برے کام چھوڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ تمام اسلامی عبادات نماز، روزہ وغیرہا سے اسلام کا مقصد یہی "تقویٰ القلوب" پیدا کرنا ہے۔ اور یہ تمام عبادات اسی کے حصول کے لیے ہیں۔ بنابریں انسان کے وہ تمام جائز افعال و اعمال جن سے یہ مقصد اعلیٰ حاصل ہو۔ وہ سب عبادت کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں۔ (کما مر توضیحہ) لہٰذا دنیا کے وہ تمام کام جن کو دوسرے مذہب دنیا کے کام قرار دیتے ہیں اسلام کی نظر میں وہ سب کام دین کے کام اور داخل عبادت ہیں، اگر ان کے کرنے سے غرض و غایت کوئی مادی خودغرضی اور نمائش نہ ہو، بلکہ خدا کی رضا اور اس کی اطاعت کرنا ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ دنیا کے کام اور دین کے کام، اور دین کے کام والا تفرقہ دراصل غرض و غایت اور نیت کا تفرقہ ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ عبادت کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو تمام اندرونی کثافتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کرے۔ (جو بجز عبادت کے دور نہیں

باقی صفحہ ۴۰ پر

باب التفسیر

نمازِ خوف پڑھنے کی ترکیب اور دو رکعتی فرقہ کی رد

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡہِمۡ فَاَقَمۡتَ لَہُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ مَّعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَہُمۡ ۟ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ۪ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡا حِذۡرَہُمۡ وَ اَسۡلِحَتَہُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِکُمۡ وَ اَمۡتِعَتِکُمۡ فَیَمِیۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ مَّیۡلَۃً وَّاحِدَۃً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ کَانَ بِکُمۡ اَذًی مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَکُمۡ ۚ وَ خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ

(سورۃ النساء: ۱۰۲ و ۱۰۳)

ترجمۃ الآیات

اے رسولؐ! جب آپ ان (مسلمانوں) میں ہوں اور انھیں نماز (با جماعت) پڑھانے لگیں تو چاہیے کہ ان کا ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو، اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ اور جب یہ سجدہ کر چکیں (نماز پڑھ چکیں) تو یہ (پشت پناہی کے لیے) تمھارے پیچھے چلے جائیں اور پھر وہ دوسرا گروہ جس نے ہنوز نماز نہیں پڑھی ہے آجائے اور آپؐ کے ساتھ نماز پڑھے اور چوکنا رہے اور اپنا اسلحہ لیے رہے۔ کفار کی تو یہ خواہش ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے ساز و سامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ اور وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تمھیں بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں کو رکھ دو۔ ہاں اپنی حفاظت کا خیال رکھو (چوکنا رہو) بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (۱۰۲) پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو، کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) اور جب تمھیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کو پورے طور پر ادا کرو۔

تفسیر الآیات

واذا کنت فیھم .....الایۃ

اے پیغمبر! جب آپ مُسلمانوں کے درمیان موجود ہوں اور حالت جنگ میں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں، ان جملوں سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ نمازِ خوف صرف زمانہ رسول کے ساتھ مخصوص تھی۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے اور یہ حکم آپ کے بعد بھی ثابت ہے اور مختلف اوقات میں مُسلمانوں نے پڑھی بھی ہے، اور قیامت تک یہ حکم برقرار رہے گا۔ صرف اس بنا پر کہ بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، اسے آپ کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ خود

قرآن میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے کوئی حکم دیا گیا ہے مگر وہ حکم آپؐ کے بعد بھی موجود ہے۔

نمازِ خوف پڑھنے کی ترکیب

حقیقت یہ ہے کہ نمازِ خوف پڑھنے کا زیادہ تر دار و مدار حالات جنگ پر ہے، لہٰذا جس قسم کے حالات کا سامنا ہو اسی طریقہ کے مطابق پڑھنی چاہیے۔ یہاں جس طریقہ کار کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے احادیث اہل بیتؑ کی روشنی میں اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

فوج اسلام کے دو حصّے ہو جائیں، ایک حصّہ دشمن کے مقابلہ میں جنگ کرتا رہے اور ایک حصّہ رسولؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہو (اور اپنے ہتھیار لیے رہے) اس طرح کہ ایک رکعت پیغمبرؐ کے ساتھ بجماعت پڑھے، پھر رسولؐ بیٹھے رہیں اور یہ لوگ کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت بطور خود جلدی جلدی پڑھ کر دشمنوں کے مقابلہ میں چلے جائیں۔ دوسرے لوگ آئیں اور رسولؐ اب کھڑے ہو کر ان کے ساتھ دوسری رکعت پڑھیں لیکن یہ ان کی پہلی رکعت ہے۔ لہٰذا رسولؐ دونوں سجدوں کے بعد پھر بیٹھ جائیں اور یہ لوگ سجدوں کے بعد کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت جلدی سے پڑھ کر جب سجدوں سے فارغ ہوں تو اب رسولؐ ان کے ساتھ تشہُّد اور سلام پڑھ کر نماز تمام کریں۔

نماز با جماعت کی اہمیت

اس سے اسلام میں نماز با جماعت کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ صرف پوری فوج اسلام کو جماعت کی فضیلت سے بہرہ اندوز کرنے کے لیے امام جماعت کو جو اس وقت پیغمبرؐ تھے، کتنے طویل الذیل طریقہ پر نماز پڑھنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ (فصل الخطاب)

اور اگر دست بدست لڑائی تک نوبت پہنچ جائے اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر چلتے پھرتے ہر حالت میں پڑھی جا سکتی ہے۔ ساری نماز رو بقبلہ نہ پڑھی جا سکے تو صرف تکبیرۃ الاحرام کے وقت رو بقبلہ ہونا کافی ہے۔ اگر رکوع و سجود کیا جائے تو فبہا، ورنہ ان کے بغیر بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ہر رکعت کے عوض ایک بار تسبیحاتِ اربعہ: "سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر" پڑھی جا سکتی ہیں۔ (تفسیر کاشف)

دو رکعتی فرقہ کی رد

نماز خوف پڑھنے کی جو ترکیب ہم نے اوپر درج کی ہے یہ وارثانِ قرآن کے فرمان سے واضح و عیاں ہے، اور یہ فرامین تفسیر عیاشی، صافی، برہان، وسائل اور بحار الانوار وغیرہ کتب مُعتبرہ میں موجود ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص قرآنی مطالب و معانی کو حقیقی اہل قرآن سے نہ لے اور احادیث کی صحت و سقم اور ان کا صحیح مفہُوم علماء اسلام سے معلُوم نہ کرے، بلکہ اپنی عقل خام اور علم نا تمام پر بھروسا کر کے حقائق قرآن، دینی احکام اور مسائل حلال و حرام کو سمجھنے کی سعی ناکام کرکے طواغیت و گمراہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور توفیق ہدایت

سلب ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال موجودہ دو رکعتی فرقہ ہے، جو ہمارے ہی مذہب سے نکلا ہے، جو بعض ناقابل اعتماد، ضعیف السند اور متشابہ اخبار و آثار کی بنا پر قائل ہے کہ نماز ہائے پنجگانہ میں سے ہر نماز کی دو رکعتیں ہیں اور اس طرح ان کی کل مجموعی تعداد دس رکعت ہے اور پھر قرآن کی تفسیر بالرائے کا ارتکاب کرتے ہوئے اسی نمازِ خوف سے یہ غلط استدلال کرتا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل نماز دو رکعت تھی، جو قصر ہو کر ایک رکعت رہ گئی۔ چنانچہ ایک گروہ نے پیغمبرؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور دوسرے گروہ نے بھی ایک رکعت پڑھی۔ مگر ”بموجب دروغ گو را حافظہ نباشد“ وہ یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اگر نمازِ خوف ایک ہی رکعت تھی تو پھر پیغمبر اسلام نے کیوں دو رکعت پڑھی؟ اور وارثانِ قرآن سے کیوں نہیں پوچھتا کہ مقتدیوں نے اپنی ایک رکعت تو رسولؐ کے ساتھ پڑھی تھی تو دوسری کس طرح پڑھی؟ سچ ہے کہ:

جنھیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا

و من الحور بعد الکور

وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ...... الآیۃ

یہاں مذکورہ بالا طریقہ پر نماز ادا کرنے کا فلسفہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جب مسلمان اس طرح دو حصوں پر تقسیم ہو کر اور ہتھیار بند ہو کر اور وہ بھی یکے بعد دیگرے نماز پڑھیں گے تو اس طرح دشمن کو ان پر یکبارگی حملہ کر کے انھیں تہس نہس کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ جس طرح کہ ایک بار مسلمان ایسے سانحہ سے بال بال بچ گئے تھے۔ ہوا یوں کہ ایک بار حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے حدیبیہ کی طرف جا رہے تھے کہ کفار کو اس بات کا علم ہو گیا۔ انھوں نے خالد بن ولید کو ایک سو سوار آدمیوں کا جتھا دے کر بھیجا، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگے بڑھنے سے روکے۔ اس وقت مسلمان بمقام عسفان اور کفار بمقام ضجنان تھے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا، بلالؓ نے اذان دی اور آنحضرتؐ نے مکمل رکوع و سجود کے ساتھ مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔ جب خالد کو اس کا علم ہوا تو اس نے بڑا افسوس کیا کہ اس نے نماز کی حالت میں حملہ کیوں نہ کر دیا۔ اب وہ نمازِ عصر کی جماعت کا انتظار کرنے لگا کہ جب آنحضرتؐ اس نماز میں مشغول ہوں گے جو انھیں آنکھ کی بصارت سے بھی زیادہ عزیز ہے تو وہ ان پر حملہ کر دے گا۔ اس اثناء میں خدائے علیم و حکیم نے وحی کی ڈوری ہلائی اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز عصر ادا کرنے کی ہدایت فرمائی، جس کی وجہ سے دشمن اپنے مذموم ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ (مجمع البیان)

ولا جناح علیکم ...... الآیۃ

خدائے حکیم نے مسلمانوں کو نماز خوف ادا کرتے وقت ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا تھا، یہاں اس حکم میں تخفیف کی جا رہی ہے کہ اگر بارش، بیماری یا کسی اور وجہ سے ان کے لیے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو اور ثقل محسوس ہو تو بے شک ہتھیار اتار کر نماز پڑھیں۔ مگر ہر حالت میں چوکس اور چوکنا رہیں، ایسا نہ ہو کہ دشمن ان کی غفلت سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھائے۔

باقی صفحہ ۳۹ پر

باب الحدیث

قطع رحمی کی مذمت

سرکار محمدؐ و آل محمد علیہ السلام کے فرمان کی روشنی میں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

قرآن وسنت میں جہاں صلہ رحمی کی بے پایاں مدح وارد ہوئی ہے وہاں قطع رحمی کی بہت بڑی مذمت بھی کی گئی ہے۔

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں حالقہ سے بچو کہ آدمیوں کو ہلاک کر دیتی ہے۔ عرض کیا گیا: مولا! حالقہ کیا ہے؟ فرمایا: قطع رحمی کرنا۔ (اصول کافی)

② انہی حضرتؑ سے مروی ہے، فرمایا: ایک شخص حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ناپسندیدہ کاموں میں سے کونسا کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؟ فرمایا: شرک کرنا۔ عرض کیا: اس کے بعد کیا ہے؟ فرمایا: قطع رحمی کرنا۔ عرض کیا: پھر کیا ہے؟ فرمایا: برائی کا حکم کرنا اور اچھائی سے روکنا۔ (اصول کافی)

③ انہی جناب سے منقول ہے، فرمایا: حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قطع رحمی نہ کر، اگرچہ دوسرے لوگ تجھ سے قطع رحمی کریں۔ (اصول کافی)

④ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے ایک دُعا کے اندر فرمایا: یا اللہ! میں ان گناہوں سے پناہ مانگتا ہوں جو جلدی فنا کرتے ہیں۔ عرض کیا گیا وہ گناہ کونسے ہیں؟ فرمایا: ان میں سے ایک قطع رحمی ہے۔ (اصول کافی)
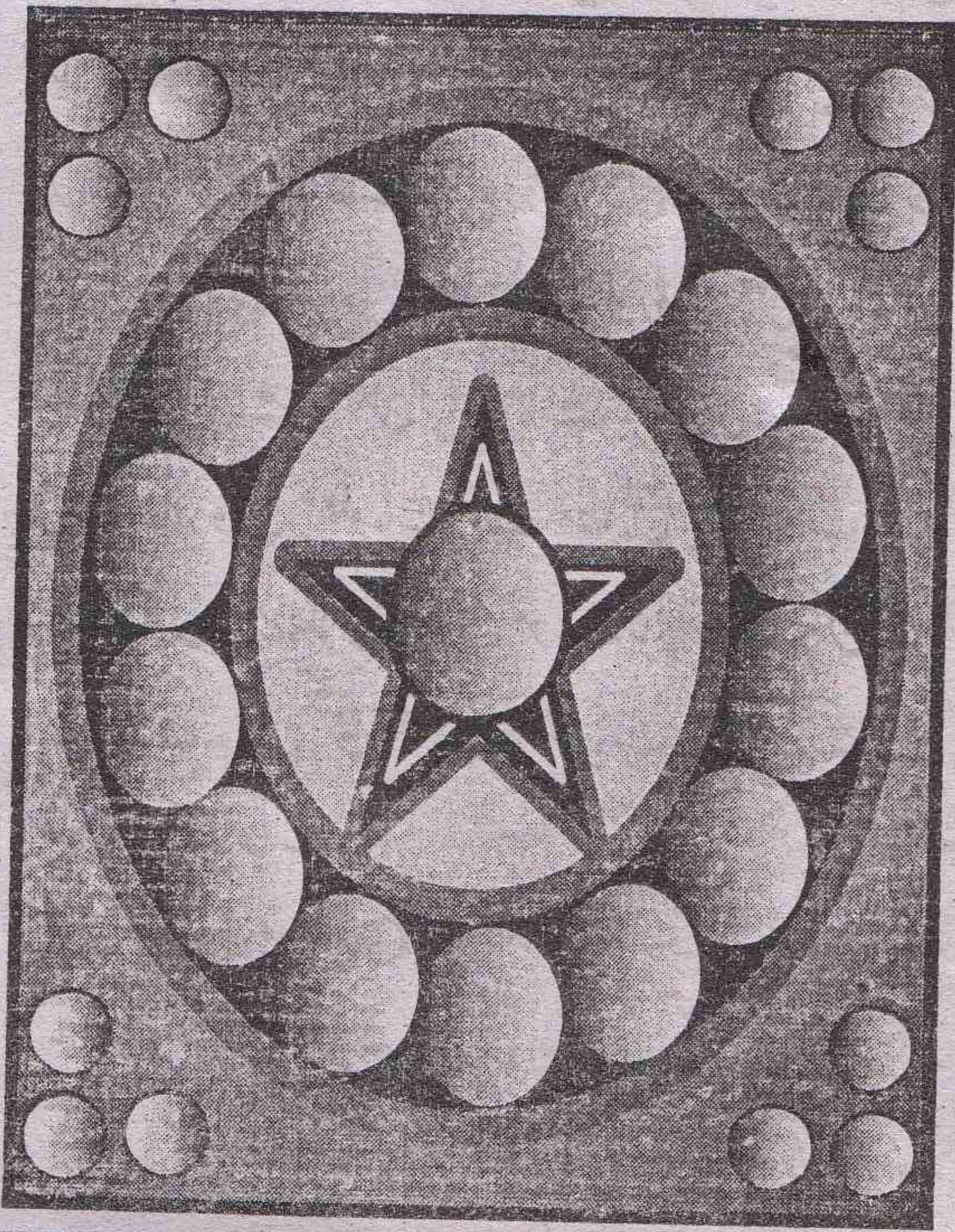
⑤ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب لوگ قطع رحمی کے جرم کا ارتکاب کریں گے تو ان کے مال شریر لوگوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے۔ (اصول کافی)

فیه کفایة لمن له ادنی درایة

حرام اجزائے خوراک

سائلہ: سیدہ رضوی فاطمہ

سوال نمبر ۴: حرام اجزا کون کون سے ہیں؟ جیسے جیلیٹن ای ۶ ۷ ۴، اور کونسے ہیں۔ برائے مہربانی ضرور بتائیے گا۔ ای ۶ ۷ ۴ یعنی E-476

پودوں اور جانوروں کی چربی سے حاصل کیا جانے والا ایک مادہ ہے جسے مختلف کھانے پینے کی اشیاء کی لذت بڑھانے، ان میں چکنائی کی مقدار کو کم کرنے اور ان کی تازگی کو برقرار رکھنے کے لیے مختلف اشیاء خورونوش مثلاً: چاکلیٹ، کیک، اور کئی قسم کے مشروبات کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پودوں میں بالخصوص ارنڈی کے تیل سے تیار کیا جاتا ہے، اور جانوروں میں بلاتخصیص ان کی چربی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ پر حاصل کی جانے والی معلومات کے مطابق اہل سنت کے نزدیک ان کے حلال یا حرام ہونے کا دارومدار ان کے ماخذ پر ہے۔ اہل تشیّع علماء کے نظریات کے بارے میں معلوم نہیں کیا جاسکا۔

جیلیٹن یعنی Gelatin

بھیڑ بکریوں مرغیوں، سوروں اور مچھلیوں کی جلد، ہڈیوں اور دیگر خلیوں سے حاصل کردہ ریشے ہیں، جنھیں مختلف وٹامنز اور دیگر غذائی اجزاء کے حصول کے لیے اشیاء خوردونوش میں ملایا جاتا ہے۔

جواب: باسمہ سبحانہ! حلال جانور کی پندرہ چیزیں حرام ہیں۔ (۱) اگر زندہ حیوان سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر جدا کیا جائے، (۲) خون، (۳) گوبر، (۴) ذکر، (۵) خصیہ، (۶) فرج، (۷) بچہ دانی، (۸) تلی، (۹) مثانہ، (۱۰) پتّا، (۱۱) حرام مغز جو پشت کی ہڈی میں ہوتا ہے، (۱۲) خرزہ (جو دانہ نخود کے برابر وسط دماغ میں ہوتا ہے) (۱۳) دو زرد پٹھے جو کہ (۱۴) سر کے نیچے سے دم تک حرام مغز کے اردگرد ہوتے ہیں، (۱۵) حدقہ چشم (آنکھ کی پتلی) (۱۶) غدود (وہ گول گرہیں جو گوشت میں ہوتی ہیں)

آپ نے جس جیلیٹن کا تذکرہ کیا ہے احتیاط واجب یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

علاماتِ ظہورِ امامِ زمانہ علیہ السلام

سائل: سید محمد دانش

سوال نمبر ۵: السلام علیکم! میں یہ سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ علاماتِ ظہورِ امامِ زمانہ کس حد تک حتمی ہیں؟ جیسا کہ سفیانی گروہ کا آنا، نفس زکیہ کا قتل وغیرہ؟ کیا ان حتمی علامات میں کسی تبدیلی کی گنجائش ہے؟ کیا امام زمانہؑ کا ظہور ان علامات کے بغیر بھی ہوسکتا ہے؟ کیا مجھے

ان علامات کے جلد واقع ہونے کی دعا کرنی چاہیے، تا کہ امامِ زمانہؑ کا ظہور جلد ہو، ہمیں کس چیز کا انتظار کرنا چاہیے؟ ان علامات کا یا امامِ زمانہ کے ظہور کا؟ اگر یہ علامات حتمی ہیں اور ان میں تبدیلی کا امکان نہیں تو اس صورت میں تو ہم علامات کا انتظار کر رہے ہیں نہ کہ ظہورِ امامِ زمانہؑ کا۔

جواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کی علامات دو قسم کی ہیں۔ ① غیر حتمی (جو کہ سیکڑوں ہیں) جو ظہور کے قریب ہونے والی علامات ہیں۔ ② حتمی اور یہ پانچ ہیں، جو کہ فوری ظہور موفور السرور کی علامات ہیں، کہ ان کے ظاہر ہونے کے بعد فوراً امامِ زمانہ کا ظہور ہو جائے گا۔ اور وہ یہ ہیں: ① خانہ خدا کعبہ مکرمہ میں نفس زکیہ کا قتل ② مکہ اور مدینہ کے درمیان زمین کا دھنس جانا ③ ماہِ رمضان میں خلافِ قاعدہ منجمین کسوف شمس اور خسوف قمر (سورج گہن اور چاند گہن کا لگنا) یعنی ماہِ رمضان کے پہلے ہفتہ میں چاند گرہن اور آخری ہفتہ میں سورج گہن کا لگنا۔ ④ لشکر سفیانی کا خروج۔

ہمیں امام زمانہؑ کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیے جو کہ عبادت ہے اور انہی کے ظہور کی دعا بارگاہِ خدا میں کرنی چاہیے۔ جیسا کہ خود امامِ زمانہؑ کا ارشاد ہے:

عجلوا الدعاء لتعجیل الفرج فان فیہ خرجکم

خداوند عالم کی بارگاہ میں میرے جلدی ظہور کی دعا کیا کرو، کیونکہ اس میں تمہاری اپنی کشائش مضمر ہے۔ (احتجاج طبرسی)

ائمہؑ سے براہِ راست دعا مانگنا

سائل: اظفر نقوی

سوال نمبر ۶: کسی بھی امام کے روضے پر کس طرح دعا مانگنی چاہیے؟ کیا ہم کسی بھی امام سے براہِ راست سوال کر سکتے ہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں اور انہی کی وجہ سے کائنات ہے۔

جواب: باسمہ سبحانہ! السلام علیکم! دعا صرف خدا سے کرنی چاہیے۔ کیونکہ دعا کرنا نہ صرف عبادت ہے بلکہ ارشاداتِ معصومی کے مطابق "مخ العبادۃ" یعنی عبادت کا مغز ہے۔ اور کائنات ارضی وسماوی میں معبود صرف ذاتِ خدا ہے۔ اسی بنا پر خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ادعوا اللہ مخلصین لہ الدین (القرآن) کہ خلوص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو...... لہٰذا کسی امام کے مشہد مقدس پر دعا مانگی جائے یا کسی اور مقام پر دعا خدا سے مانگنی چاہیے اور وسیلہ اور واسطہ سرکار محمد ﷺ و آلِ محمد علیہم السلام کا دینا چاہیے۔ بالخصوص امورِ تکوینیہ میں، جیسے خلق و رزق، موت و حیات اور شفا وغیرہ، جو کارہائے خدا ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ (القرآن)

جمع بین الصلاتین

سائل: سید جعفری

سوال نمبر ۷: اگر نماز کو الگ الگ پڑھنا افضل تصور کیا جاتا ہے تو کیوں شیعہ جمع بین الصلاتین پر زور دیتے ہیں جس کا مرتبہ خدا کے نزدیک کم تر ہے، اگرچہ اس کی ترغیب آسانی کے لیے دی گئی ہے، وضاحت فرمادیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ! السلام علیکم! جمع بین الصلاتین اور عدم جمع میں سنی وشیعہ افراط وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ اصل بحث جمع بین الصّلوتین کے جواز و عدم جواز کی تھی کہ سفر و خطر اور مطر کے علاوہ دو نمازوں کا اکٹھا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

شیعہ کہتے ہیں کہ جائز ہے اور اہل سنت کہتے ہیں کہ ناجائز ہے...... مگر دونوں فریق افراط و تفریط کا شکار ہو گئے۔ یعنی شیعوں نے سمجھ لیا ہے کہ جمع اس قدر ضروری ہے کہ اگر علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے تو سنی بن جائیں گے اور اہل سنت نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر کبھی دو نمازوں کو اکٹھا پڑھ لیا تو شیعہ بن جائیں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جمع بین الصّلوتین کرنا صرف جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ ہر نماز کو وقتِ فضیلت پر اذان و اقامت کہہ کر علیحدہ علیحدہ پڑھنا چاہیے۔

سوال نمبر ۸: السلام علیکم! قبلہ محترم!

میں نجف اشرف میں پڑھتا ہوں۔ نجف کے اندر آیۃ اللہ یعقوبی کے شہریہ لینے کے بارے میں آیۃ اللہ سیستانی متوقف اور آیۃ اللہ شیخ بشیر النجفی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ کیا اس سے شہریہ لیا جا سکتا ہے؟ جواب عطا فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ! میں جناب یعقوبی صاحب سے متعارف نہیں ہوں، اس لیے اثبات یا نفی میں جواب نہیں دے سکتا۔ ہاں البتہ مقامی علماء اعلام بہتر جانتے ہیں۔ ان کے فرمان پر عمل کریں۔ واللہ العالم

امامؑ کے وسیلے سے مانگنا

سائل: باب الحوائج عباس

سوال نمبر ۹: السلام علیکم سر! امامؑ کے وسیلے سے مانگنا چاہیے اللہ سے یا امامؑ سے مانگنا چاہیے۔

جواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ! سوال نمبر ۶ کے جواب میں مفصل طور پر لکھا گیا ہے کہ دعا خدا سے مانگنی چاہیے اور سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا وسیلہ اور واسطہ دینا چاہیے۔ کیونکہ پوری کا مرکز و محور خداوند عالم ہے اور اس مرکز رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ (القرآن)

ماں باپ کا شادی کے لیے بچوں کو مجبور کرنا

سائلہ: ایک عورت

سوال نمبر ۱۰: سلام منتظم! اللہ تعالیٰ نجفی صاحب کو لمبی اور تندرستی والی زندگی عطا کرے۔ میرا ایک سوال ہے جس کا جواب نجفی صاحب سے لے کر دیں۔ مہربانی ہوگی۔

میری ایک دوست ہے، سات سال پہلے ایک لڑکے نے اس سے شادی کی درخواست کی۔ لڑکی نے کہا کہ آپ میرے گھر والوں سے بات کر لیں، لڑکے نے لڑکی کے گھر والوں کو رضامند کر لیا اور لڑکی کے باپ سے کہا کہ جب تک میں اپنے ماں باپ کو راضی نہ کر لوں آپ نے میرا انتظار کرنا ہے اور اپنی بیٹی کی شادی کہیں نہیں کرنی۔ کیونکہ میں آپ کی بیٹی کو دل سے اپنا ہم سفر مان چکا ہوں اور اسی سے شادی کروں گا۔ لڑکی کے ماں باپ انتظار کرتے رہے اور اب پندرہ دن پہلے لڑکے

نے کہا ہے کہ میری ماں نے مجھے بلیک میل کر کے کہا ہے کہ اگر تم نے میری بھانجی سے شادی نہ کی تو میں تمھیں جنت نہیں دوں گی۔ لڑکا ماں باپ کی وجہ سے زبردستی ماں کی بھانجی سے شادی کے لیے رضامند ہوگیا۔ جس لڑکی سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے اس لڑکی کے باپ نے جب پندرہ دن پہلے اس کو بلا کر پوچھا کہ اب ہم اور کتنا انتظار کریں، تم اپنے وعدے پر عمل کب کرو گے؟ تو لڑکے نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے سامنے ہار مان لی ہے۔ میں آپ کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا۔ لڑکے نے اس لڑکی کے باپ سے کہا کہ میری ماں بیشک شادی تو کر رہی ہے اپنی مرضی سے مگر میں کبھی اس کو خوش نہیں رکھوں گا اور بہت جلد چھوڑ دوں گا۔

لڑکی کے ماں باپ اور لڑکی جس کو سات سال تک اس نے انتظار کروایا اور ایک امید پر رکھا، اب وہ ٹوٹ چکے ہیں۔ لڑکی دل سے اس کو اپنا شوہر مان چکی تھی اور وہ رو رو کر خدا سے استغاثہ بلند کرتی ہے کہ اس شخص نے میرے ساتھ کیا کیا۔ حالانکہ خواہش مند بھی وہ خود تھا اور اب ماں کے بلیک میل کرنے پر وہ کتنی زندگیاں تباہ کرنے جا رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو ماں باپ اس طرح بچوں کو بلیک میل کر کے زبردستی شادیاں کرواتے ہیں، جس کی بنیاد رنگ، نسل، قرابت اور اعلیٰ درجہ ہوتا ہے، تو ایسے ماں باپ کے بارے میں اسلام کی کیا رائے ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ گچھ نہیں کرے گا کہ وہ زبردستی کر کے اتنی زندگیاں کیوں تباہ کرتے ہیں؟ جب اللہ نے دین میں کوئی جبر نہیں رکھا تو پھر ماں باپ شادی میں کیوں جبر کرتے ہیں بچوں پر؟ برائے مہربانی یہ ہمارے معاشرے کا اہم مسئلہ ہے، اس کا جواب مجھے ان بکس کر دیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام! بے شک باپ دادا کو شریعتِ مقدسہ نے ولی مقرر کیا ہے۔ مگر یہ حکم بھی دیا ہے کہ لڑکی لڑکے کی رضامندی کے بغیر ہرگز ان کی شادی نہیں کرنی چاہیے۔ لہٰذا جو ماں باپ اپنی مرضی اولاد پر مسلّط کرتے ہیں اور ان کی رضامندی کی پروا نہیں کرتے وہ ظالم متصوّر ہوں گے اور اس عقد و ازدواج میں جو خرابیاں ہوں گی ان کے ذمہ دار بھی وہی ہوں گے۔ والدین پر لازم ہے کہ اسلامیات کا مطالعہ کریں اور سربراہانِ اسلام کی سیرت و کردار کا مطالعہ کریں۔ جب حضرت امیر علیہ السلام نے حضرت رسولِ خداؐ سے جناب خاتونِ قیامتؑ کا رشتہ مانگا تھا تو جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب شہزادیؑ سے اجازت نہیں لی تھی تب تک ہاں نہیں کی تھی۔

خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ایسے ظالم والدین کو ہدایت فرمائے کہ وہ اپنی اولاد پر ظلم نہ کریں اور ان کی زندگیوں میں زہر نہ گھولیں اور ان کے مستقبل کو تباہ نہ کریں۔

سائل: ملک امتیاز حسین جناح بک ڈپو جھامرہ

سوال: محترم قبلہ آیت اللہ محمد حسین نجفی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! خیریت بخیریت۔

گزارش ہے کہ کچھ دین فروش قسم کے لوگ یہ

باقی صفحہ ۲۱ پر

باب المتفرقات

اسلام کے ابتدائی حالات

تحریر: حجۃ الاسلام علامہ ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ

عربستان کا علاقہ جو تقریباً ۱۳۰۰ سے ۱۶۰۰ میل لمبا اور ۶۰۰ میل چوڑا ہے، اور جس کا کل رقبہ ۱۴ لاکھ ۳۰ ہزار مربع میل ہوتا ہے، یعنی متحدہ جرمنی اور فرانس سے چار گنا زیادہ اور متحدہ ہندوستان سے ایک تہائی کم۔

یہ علاقہ روز اول سے ادیان و مذاہب کا گہوارہ کہا گیا ہے اور دنیا کے بے شمار مذاہب نے اسی علاقہ میں جنم لیا ہے اور اکثر کا مدفن بھی اسی خطہ میں بنا ہے۔

اس علاقہ کی نمایاں تاریخ کا دور جناب ابراہیمؑ کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے جن کی مختصر تاریخ حیات یہ ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں مختلف فضائل وکمالات سے آراستہ کر کے توحید کا علمبردار بنا کر اس علاقہ میں خلق فرمایا اور نمرود جیسے باغی اور طاغی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ جناب ابراہیمؑ نے قولاً اور عملاً توحید کی تبلیغ شروع کی اور ایک دن موقع پا کر تمام بتوں کا صفایا کر دیا جس کے نتیجہ میں انھیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ رب کریم نے انھیں آگ میں جلنے سے بچا لیا اور "برداً و سلاماً" کے چھینٹے دے کر آگ کو گلزار بنا دیا۔

اس واقعہ سے متاثر ہو کر جناب سارہ بنت حاران نے آپ سے عقد کر لیا اور نبوت کی تاریخ میں کمالات کو دیکھ کر پیغام عقد دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جناب ابراہیم علیہ السلام ابتدائی طور پر بابل میں رہے، پھر وہاں سے کنعان چلے گئے۔ کنعان میں قحط پڑا تو مصر منتقل ہو گئے۔ وہاں اس دور کے فرعون کے دربار میں پہنچے تو اس نے جناب سارہ کے حسن و جمال کا احساس کر کے بار بار ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا، لیکن ہر مرتبہ ہاتھ خشک ہو گیا۔ اس نے جناب ابراہیمؑ سے وعدہ کیا کہ اگر ان کی دعا سے ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا تو آئندہ ایسی جسارت نہیں کرے گا۔ خلیلؑ نے بارگاہ الٰہی میں التماس کی، دعا قبول ہوئی، ہاتھ درست ہوا تو اس نے عظمت و کردار سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لیے دے دیا۔ اس کے بعد آپ کا قیام مقام حبرون میں رہا اور وہیں انتقال فرمایا، جو آج خلیل الرحمٰن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جناب سارہ کے ساتھ ایک مدت تک ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد جب جناب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان سے اولاد کا ظاہری امکان نہیں ہے تو جناب ہاجرہ سے عقد کر لیا، جس کے بعد جناب اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی اور جب جناب سارہ نوے سال کی ہوئیں تو مالک کائنات نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں بھی صاحب اولاد بنا دیا اور جناب اسحاقؑ کی ولادت ہوئی۔

ہاجرہ کے یہاں ولادت کے بعد فطری طور پر سارہ کو کشمکش کا شکار ہونا چاہیے تھا، اس لیے جناب ابراہیمؑ نے اشارہ قدرت سے اس صورتِ حال کا یہ حل نکالا کہ جناب اسماعیلؑ اور جناب ہاجرہ کو مکہ میں بنیاد خانہ کعبہ کے قریب ڈال دیا، جہاں بے آب و گیاہ ہونے کی بنا پر سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک گھونٹ پانی کی تلاش میں جناب ہاجرہ کو سعی کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں قدرت نے چشمہ زمزم جاری کر دیا، اور اس طرح کرم پروردگار کا بھی مظاہرہ ہوگیا اور نبی خدا کے تحفظ کی راہ میں سعی کی عظمت کا بھی اظہار ہوگیا۔

ادھر قبیلہ جرہم کے افراد کا اس علاقہ سے گزر ہوا اور انھوں نے چشمہ زمزم کی روانی کو دیکھا تو وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور اس طرح ارضِ حرم کی آبادی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جناب ابراہیمؑ اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے آئے تو جناب اسماعیلؑ موجود نہ تھے، ان کی زوجہ نے اخلاق و مدارات کا مظاہرہ نہ کیا تو جناب ابراہیمؑ نے طلاق کا اشارہ دے دیا اور اس طرح دوسری شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی جس سے اسماعیلؑ کو سکونِ زندگی نصیب ہوا۔ لیکن اس کے بعد ہی قدرت نے اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دے دیا اور جناب ابراہیمؑ نے پورے حوصلہ کے ساتھ بیٹے کو راہِ خدا میں قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ اسماعیلؑ نے بھی اپنے کو مرضی مولا کے حوالہ کر دیا اور اس طرح ابراہیمؑ خلیل اللہ قرار پائے اور اسماعیلؑ ذبیح اللہ۔

ایثار اور فداکاری کا یہ سلسلہ نسل ابراہیمؑ و اسماعیلؑ میں جاری رہا، یہاں تک کہ جناب عبدمناف پیدا ہوئے جن کا نام عمر العلاء تھا۔ ان کے فرزند جناب ہاشم تھے اور جناب ہاشم کے ایک فرزند عبدالمطلب تھے اور ایک اسد۔ اسد کے گھر میں جناب فاطمہ بنت اسد کی ولادت ہوئی اور عبدالمطلب کے یہاں مُتعدّد اولاد پیدا ہوئی جن میں سے ایک جناب عبداللہ تھے اور ایک جناب ابوطالب۔

عبدالمطلب کی نذر تھی کہ اگر خدا دس فرزند دیدے گا تو ایک کو راہِ خدا میں قربان کر دیں گے۔ چنانچہ جب قربانی کا وقت آیا تو قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ عبداللہ کے حسن و جمال و کمال کی بنا پر دوبارہ قرعہ ڈالا گیا اور پھر انھیں کا نام نکلا۔ یہاں تک کہ فدیہ طے کیا گیا اور سو اونٹ کی قربانی دے کر جناب عبداللہ کو قربانی سے بچا لیا گیا اور اس طرح عبداللہ بھی ذبیح قرار پائے اور رسولِ اکرم ابن الذبیحین کے مصداق قرار پائے۔

عبدالمطلب کا نام عامر تھا اور کنیت ابوالحارث، لقب شیبۃ الحمد تھا، اس لیے کہ سر کے بال سفید تھے اور انتہائی خوبصورت۔ باپ کے انتقال کے بعد ننہال میں رہے۔ آخر کار مطلب جا کر وہاں سے لے آئے تو لوگوں نے بھتیجا کہنے کے بجائے ان کا غلام کہنا شروع کر دیا اور اس طرح عامر کے بجائے عبدالمطلب قرار پائے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جناب عبدالمطلب پانچ خصوصیات کے حامل تھے۔

① انھوں نے سب سے پہلے باپ کی زوجہ سے عقد کو ممنوع قرار دیا۔

② خزانہ پر خمس عائد کیا۔

(۳) حاجیوں کی سقایت اور سیرابی کا انتظام شروع کیا۔
(۴) ایک انسان کے بدلے سو اونٹ کی دیت مقرر کی۔
(۵) طواف کعبہ کے سات چکر معین کیے۔

اور قدرت نے ان کے اخلاص کی بنا پر ان تمام اقدامات کو جزء مذہب بنا دیا اور انھیں فرزند کی قربانی کے ارادہ کی بنا پر ابراہیم ثانی کے لقب سے نواز دیا۔

سخاوت کی بنا پر عبدالمطلب مطعم الطیر کے لقب سے مشہور تھے اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ اس حوصلہ اور ہمت کا اظہار ہے جو ابرہۃ الاشرم کے مقابلہ میں پیش کیا، جب وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ خدا کو مُنہدم کرنے کے لیے آیا اور سارے مکہ والے آبادی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جناب عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے اور اس نے احترام کرنے کے بعد سبب پوچھا تو فرمایا کہ تیرے لشکر والوں نے میرے اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ میں انھیں واپس لینے آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمھیں اونٹوں کی فکر ہے اور اس گھر کی فکر نہیں جسے ڈھانے کے لیے میرا لشکر آیا ہے۔

جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو عنقریب اسے بچا لے گا۔ ابرہہ اس اشارہ کو نہ سمجھ سکا جو ہر مغرور و مُتکبّر انسان کا عالم ہوتا ہے لیکن رب العالمین نے عبدالمطلب کے بیان کی لاج رکھ لی اور ابابیل کا لشکر بھیج کر ابرہہ کے لشکر کا خاتمہ کرا دیا اور اس طرح چھوٹی طاقت سے سپر پاور کے ہارنے کا قدرتی نظام سامنے آگیا اور ابرہہ کو باعزت طریقہ سے مرنا بھی نصیب نہ ہوا۔

ابرہہ کی فوج میں ساٹھ ہزار افراد تھے جن میں نو یا تیرہ بڑے بڑے ہاتھی تھے اور سب سے بڑے ہاتھی کا نام "محمود" تھا جس سے خانہ کعبہ کے انہدام کا کام لینا تھا جو قدرت کی تدبیر خاص سے ناکامی میں تبدیل ہو گیا۔

یہ عبدالمطلب کا کمال ایمان تھا کہ انھوں نے گھر کی حفاظت میں بتوں کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ ایک غیبی طاقت کا حوالہ دے کر یہ واضح کر دیا کہ مالک اصلی یہ بت نہیں ہیں، خدا ہے، اور اطمینانِ قلب کا راز ظاہر پر ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان بالغیب ہے۔

جس سال ابرہہ کی تباہی اور خانہ خدا کی حفاظت خاص کا واقعہ پیش آیا، اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے اور اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی...... عام شیعہ روایات کی بنا پر ۱۷ ربیع الاول کو اور عام سنی روایات کی بنا پر ۱۲ ربیع الاول کو۔ مصر کے مشہور عالم فلکیات کی تحقیق کی بنیاد پر بقول مولانا شبلی ۹ ربیع الاول کو۔ انگریزی سال کے اعتبار سے مشہور مسلک ۲۹ اگست ۵۷۰ء ہے اور مولانا شبلی کا مسلک ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔

مقام ولادت شعب ابی طالب تھا، جس مکان کو رسولِ اکرمؐ نے عقیل کو ہبہ کر دیا تھا، اور انھوں نے محمد بن یوسف ثقفی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جس کے بعد ہارون رشید نے اسے خرید کر مولد النبیؐ قرار دے دیا۔

بقولے: زمانہ حمل میں جناب آمنہ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ بچہ کا نام "احمد" رکھا جائے (ابن سعد) اور بروایتے اہل خاندان کے مشورہ سے عبدالمطلب نے

"محمدؐ" طے کیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ کام بھی بذریعہ الہام انجام پایا ہے۔ اس لیے کہ جب آلِ رسولؐ کے اسمائے گرامی قدرت کی طرف سے نازل ہوئے ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ خود رسولِ اکرمؐ کا اسم گرامی اہل خاندان کے مشورہ کا ممنونِ کرم ہوجائے۔ آپ شکم مادر میں تھے کہ آپ کے والد بزرگوار جناب عبداللہ کا انتقال ہوگیا اور بروایت سیرۃ النبی شبلی بحوالہ طبقات ابن سعد آپ کو اپنے والد محترم کی طرف سے میراث میں ایک ام ایمن کنیز، پانچ اونٹ اور چند دنبیاں ملیں اور اس طرح انبیاء کے یہاں میراث نہ ہونے کا مفروضہ روز اول ہی باطل ہوگیا۔

رضاعت

مورخین کے قول کی بنا پر تین دن یا سات دن یا نو دن جناب آمنہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد مستقل رضاعت کے لیے حلیمہ سعدیہ کے سپرد کردیے گئے، جہاں دو برس کی عمر تک رہے اور صحرا کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے اور اپنے تبلیغی ماحول کا جائزہ لیتے رہے۔ وہاں سے واپس آئے تو دو برس کے بعد مادر گرامی کا انتقال ہوگیا اور اب مستقل طور پر اپنے دادا جناب عبدالمطلب کے ساتھ رہنے لگے۔ آٹھ برس کی عمر تھی کہ ان کا بھی انتقال ہوگیا اور انھوں نے اپنی خداداد فراست کی بنیاد پر کفالت وحفاظت کا سارا کام جناب ابوطالب کے سپرد کردیا جو آخر دم تک اس فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے اور اس طرح کفالت وحفاظت کی کہ ان کے انتقال کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھی احسانات کو یاد کرکے ان کا مرثیہ پڑھا۔

شغل زندگانی

دس برس کی عمر سے اپنی اصلاحی صلاحیت کے اظہار کے لیے گلہ بانی کا کام شروع کیا اور اس طرح قوم پر واضح کرتے رہے کہ میں جانوروں کی بھی اصلاح کرسکتا ہوں اور مجھ میں یہ صلاحیت دوسرے افراد سے کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ آپ کے جانوروں کی چراگاہ مقام اجیاد کے پاس قراریط میں تھی جسے امام بخاری نے اپنی کتاب میں قیراط کی جمع اور سکہ بنا کر حضورؐ کو مزدوری پر جانور چرانے والا بنا دیا، جبکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ دوسرے افراد کا کاروبار تھا جسے رسولِ اکرمؐ کے حوالے کردیا گیا ہے۔

بارہ برس کی عمر میں پہلا تجارتی سفر شام کی طرف اپنے چچا جناب ابوطالبؑ کے ساتھ کیا، جہاں چند لمحوں کے لیے بحیرا راہب کا سامنا ہوگیا، جس نے سر پر ابر کو سایہ فگن دیکھ کر ابوطالب کو نصیحت کی کہ اس بچہ کو وطن واپس کردیں یا اس کی خُصُوصی نگرانی کریں کہ یہ مستقبل میں ایک بڑی شان والا ہے اور یہودیوں کو اس بات کی اطلاع ہوگئی تو وہ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس ادنیٰ ملاقات کا اثر یہ ہوا کہ عیسائیوں نے بحیرا کو آپ کا مُعلّم بنا دیا اور قرآن کے تمام قدیم روایات و معلُومات کو اس کی تعلیم کا ممنون کرم بنا دیا اور یہ ان نومسلم افراد کی سازش سے ہوا جو خاص مقاصد کے تحت حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے اعمال کے ساتھ حرب فجار میں حصّہ لیا، جس کی بنیاد یہ تھی کہ ماضی کے خون ناحق کا بدلہ لیا جائے اور اسی انتقال کے جواز کی بنیاد پر

آپ نے اس میں شرکت کی منظوری دے دی تھی، ورنہ اسلام کا مقصد یہی تھا کہ گزشتہ تمام معاملات کو کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے۔

حرب الفجار ہی کی طرح حلف الفضول کا معاہدہ تھا، جس میں متعدد فضل نامی افراد نے مظلوم کی اعانت کا معاہدہ کیا تھا اور آپؐ نے اسی جذبہ کے تحت اس میں بھی شرکت فرمائی تھی اور آخر تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔

اس کے بعد کعبہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو مختلف قبائل نے ایک ایک طرف کی دیوار کی تعمیر کا کام لے لیا جب حجر اسود کے نصب کرنے کی باری آئی تو ایک قیامت خیز ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور آخر میں یہ طے پایا کہ جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہو اسے حکم بنا دیا جائے۔ تھوڑی دیر میں رسولِ اکرمؐ داخل ہوئے اور آپؐ نے ایک چادر یا اپنی عبا میں پتھر کو رکھ کر سارے قبائل کو اٹھانے کا حکم دیا اور جب سب نے بلند کر دیا تو آپؐ نے چادر سے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیا اور اس طرح سے واضح ہو گیا کہ کسی کو اس کی صحیح جگہ پر بٹھانے کا کام رسولِ اکرمؐ کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا، چاہے وہ افراد ہوں یا قبائل۔

پچیس سال کی عمر میں دوسرا سفر تجارت کیا جس میں خدیجہؓ کے مال کو مضاربہ اور کمیشن کے طور پر بیچنے کے لیے لے گئے اور جناب خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دیا جس نے واپس آ کر اس قدر فضائل و کمالات کا تذکرہ کیا اور خود خدیجہ نے بھی اس قدر برکت اور منفعت کا مشاہدہ کیا کہ اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا کہ خدیجہ عقد کا پیغام دے دیں۔ چنانچہ ایک محترم خاتون نفیسہ کو بھیج کر پیغام دیا اور حضورؐ نے اس پیغام کو منظور کر لیا اور عقد کی تاریخ طے ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ کی طرف سے جناب ابوطالب نے اور خدیجہؓ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے عقد پڑھا، اس وقت تک شیخ طوسیؒ، سید مرتضیٰؒ وغیرہ کے ارشاد کے مطابق جناب خدیجہؓ باکرہ تھی اور آپ نے تمام اشراف قریش کے پیغامات کو رد کر دیا تھا۔

عقد کے موقع پر جناب ابوطالبؑ نے ایک تاریخی خطبہ پڑھا جو مطالب کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے اور اخلاصِ عمل کے اعتبار سے بھی اسلام میں عقد کا ایک حصّہ قرار پا گیا ہے۔

اس واقعہ کے تقریباً پانچ سال بعد اور ہبوط آدمؑ سے ۶۱۹۳ برس بعد ۶۰۰ء اور ۳۰ عام الفیل میں جناب ابوطالبؑ کے یہاں حضرت علیؑ کی ولادت ہوئی اور ان کے فرزند کی ولادت رب العالمین کے گھر میں ہوئی۔

اس کے دس سال کے بعد جب آپؐ کی عمر تقریباً چالیس کی تھی تو آپ پر سورۂ اقرأ کی شکل میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ جس نے قراءت، تعلیم، قلم وغیرہ کا ذکر کر کے اسلام کے مزاج قانون کی نشاندہی کی اور اس طرح اعلان دین خدا کی راہ ہموار ہونے لگی۔ ۶۱۱ء میں اس وحی اول کے نزول کو بعثت رسولؐ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا واقعہ ۲۷ رجب کو پیش آیا۔

بعثت کے بعد تین سال تک خفیہ تبلیغات کا سلسلہ جاری رہا اور آپؐ مختلف افراد کو اس وحی اول کے

مضمون اور مفاد سے باخبر کرتے رہے۔

تین سال کے بعد اعلان کا حکم ہوا تو آپ نے کوہِ صفا کے پاس تمام قریش کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر میں یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر حملہ کرنے والا ہے تو تم بغیر دیکھے اعتبار کرو گے یا نہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہم نے آپ سے سچ کے علاوہ کچھ نہیں سنا ہے، تو فرمایا کہ میں تمھیں عذابِ الٰہی سے ڈرا رہا ہوں جو اس بت پرستی کے نتیجہ میں پیش آنے والا ہے۔ سماج میں ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ لیکن آپؐ نے اسلام کی پیشکش کا سلسلہ ایمان بالغیب سے شروع کیا جس کے بغیر مذہب کی کوئی افادیت نہیں ہے۔

ادھر اہل خاندان کو باقاعدہ دعوت دینے کا حکم آ گیا تو آپ نے حضرت علیؑ کے ذریعے تمام خاندان کو مدعو بھی کیا، اور سب کے کھانے کا انتظام کیا۔ جس کے بعد پہلے دن لوگوں نے بات سننے سے انکار کر دیا تو دوسرے دن پھر دعوت کی اور بمشکل تمام اپنا پیغام پیش کر دیا اور قوم سے نصرت و امداد کی درخواست کی جس کے معاوضہ میں وصایت، وزارت اور خلافت کا وعدہ بھی کیا جو اپنے مشن کی کامیابی کے یقین کا کھلا ہوا اعلان تھا۔ لیکن حضرت علیؑ کے علاوہ کسی نے اس مطالبہ پر توجہ نہ دی تو بالآخر اتمام حجّت کے بعد ان کی وصایت و وزارت و خلافت کا اعلان کر دیا اور اسلام کی پہلی دعوت تینوں عقائد کی حامل قرار پاگئی۔ توحید خدا کا بھی اعلان ہوگیا، رسالت سرکار دوعالم کا بھی اعلان ہوگیا اور وصایت و وزارت علیؑ کا بھی اعلان ہوگیا۔

اس اعلانِ عام کے بعد قریش کی طرف سے مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے حارث بن ابی ہالہ کو شہید کیا گیا جو اعلانِ رسالت کے چوتھے سال اسلام کے پہلے شہید ہیں۔

حارث کی شہادت کے بعد شہادتوں اور اذیتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا جس میں مرد و عورت، آزاد و غلام سب شریک رہے اور کسی ایک کو معاف نہیں کیا گیا۔

مردوں میں جناب یاسر کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ خباب بن الارت کو انگاروں پر لٹایا گیا۔ بلالؓ کو گرم ریت پر لٹایا گیا۔ یہ اگرچہ قتل نہیں کیے گئے مگر یہ اذیت کسی قتل سے کم نہیں تھی۔ افلح ابوفکیہ کو رسیوں سے باندھ کر کھینچا گیا۔ صہیب رومی کو سارا سامان چھین کر مکہ سے باہر نکال دیا گیا۔

عورتوں میں جناب یاسر کی اہلیہ سمیہ، حضرت عمر کی بہن فاطمہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیس جیسی خواتین کو بے حد اذیت دی گئی اور بعض کو قتل ہی کر دیا گیا۔

ادھر دو برس کی عمر میں قاسم بن پیغمبرؐ کا انتقال ہوگیا تو دشمنوں نے ایک روحانی اذیت کا سامان فراہم کر دیا اور حضور اکرمؐ کو ابتر کہہ کر پکارنے لگے۔ گویا ان کی نسل کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اور جس کی نسل باقی نہ رہ سکے اس کا دین اور مذہب کیا باقی رہے گا۔ قدرت نے اس طعنۂ ابتر کے جواب میں ۲۰ جمادی الثانیہ ۵ بعثت کو سرچشمہ کوثر جناب فاطمہؑ کی مقدس ہستی کا تحفہ رسول اکرمؐ کو عنایت فرمایا اور دشمن کے ابتر ہونے کا اعلان کر دیا جو وجود فاطمہؑ کا پہلا سکون تھا، جو رسولِ اکرمؐ کو سخت ترین

حالات میں نصیب ہوا۔

حالات اس قدر ابتر تھے کہ ایک ماہ کے بعد رجب ۵ بعثت میں رسول اکرمؐ کو مُسلمانوں کو حکم ہجرت دینا پڑا اور پہلا قافلہ جبشہ کی طرف سولہ افراد پر مشتمل روانہ ہوگیا جس میں جعفر طیار شامل نہ تھے۔ چند دنوں کے بعد دوسرا قافلہ حضرت جعفر بن ابوطالبؑ کی قیادت میں روانہ ہوا، جس میں ۸۶ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ یعنی کل ۱۰۴ افراد۔ مُسلمانوں کی اس تعداد کے شہر سے باہر نکل جانے پر باقی افراد مزید ظلم وستم کا نشانہ بننے لگے۔ چنانچہ ابوجہل نے خصُوصیت کے ساتھ حضُورؐ کو ستانا شروع کردیا جس کی خبر سن کر جناب حمزہؓ کو جوش آگیا اور انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کردیا جس کے بعد رسول اکرمؐ کو واقعی ایک قسم کا سکون نصیب ہوگیا اور اسلام ایک بڑے سپاہی اور مجاہد کا مالک ہوگیا۔

ادھر قرآن کریم کی بلاغت اور اہل ایمان کے استقلال نے ایک نئی کرامت کا مظاہرہ کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب کی بہن نے اسلام کا اعلان کردیا اور انھیں اطلاع ملی تو گھر پہنچ گئے اور اپنے امکان بھر مار پیٹ کر دوبارہ کفر کی طرف واپس لانے کی کوشش کی، لیکن بہن نے انکار کردیا اور اس کے بعد جب آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت سنی تو خود بھی اسلام قبول کرلیا او ربظاہر اسلام ایک بڑے خطرہ سے محفوظ ہوگیا۔

اذیتوں کے باوجود اسلام کی بڑھتی ہوئی شوکت اور مقبولیت کو دیکھ کر کفار نے مصالحت آمیز رویہ اختیار کرنا شروع کیا اور پہلے جناب ابوطالبؑ کے ذریعے ترک تبلیغ کا پیغام دیا، جسے ابوطالبؑ نے ان لفظوں میں پہنچایا کہ فرزند! تمھارے بنی عم کا خیال ہے کہ تم انھیں اذیت دے رہے ہو اور وہ تم سے ترک تبلیغ کا مطالبہ کررہے ہیں، تو آپؐ نے ان تاریخی لفظوں میں جواب دے دیا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ پر سورج رکھ دیا جائے کہ میں تبلیغ اسلام کو ترک کردوں تو یہ ممکن نہیں ہے اور اس طرح اپنی عظیم ہمت اور کفر کی بےبسی کا اعلان کردیا۔ اس جواب کے بعد کفار نے براہِ راست جناب ابوطالبؑ سے سودا کرنا چاہا کہ ہم محمدؐ کے بدلے اپنے ایک فرزند عمارہ کو تمھارے حوالے کیے دیتے ہیں اور تم محمدؐ کو ہمارے حوالے کردو، تاکہ ہم ان کا خاتمہ کرکے اس نئے دین سے نجات حاصل کرلیں۔ جناب ابوطالبؑ نے فرمایا کہ یہ کس قدر احمقانہ فیصلہ ہے کہ میں تمھارے فرزند کی پرورش کروں اور تم ہمارے فرزند کو قتل کردو اور اس طرح کفار کی سودے بازی کا سلسلہ موقوف کردیا اور اپنے کمال ایمان وذہانت اور ارتقائے عقل وفراست کا اعلان کردیا۔

کفار نے اس صورتِ حال کا اندازہ کرکے بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا کہ بنی ہاشم پر اس قدر اقتصادی اور سماجی دباؤ ڈالا جائے کہ محمدؐ کو ہمارے حوالے کرنے پر مجبور ہوجائیں جو ہر دور کے ظالم کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ منصور بن عکرمہ نے معاہدہ لکھا اور چالیس افراد نے اس پر دستخط کیے اور اس طرح بنی ہاشم کی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کا آخری منصوبہ تشکیل دیا گیا۔

ادھر جناب ابوطالبؑ نے یکم محرم ۷ بعثت (۶۱۷ء) کو سارے گھرانے کو لے کر شعب میں قیام اختیار فرمالیا اور اس طرح آغاز محرم سے مُسلمانوں کی

مصیبت کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا جس کا خاتمہ اس فتح مبین پر ہوا کہ مظلومیت نے ظلم پر فتح پائی اور تین سال کے بعد ہشام مخزومی کو بنی ہاشم کے حال پر رحم آ گیا اور اس نے معاہدہ کے خلاف آواز اٹھانا شروع کر دی۔ ادھر رسولِ اکرمؐ نے جناب ابوطالبؑ کے ذریعہ یہ خبر پہنچائی کہ عہد نامہ کو دیمک نے کھا لیا ہے اور سوائے نامِ خدا کے کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ کفار نے صداقت کا امتحان لینے کے لیے عہد نامہ کو کھولا تو بات بالکل صحیح نکلی اور اس طرح کفار اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گیے اور رسولِ اکرمؐ کو ظلم کے مقابلہ میں ایک نئی فتح حاصل ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سب ایک دن فنا ہو جانے والے ہیں، صرف نام خدا باقی رہنے والا ہے۔ منصور بن عکرمہ کے ہاتھ شل ہو گئے اور محرم ۰ البعثت میں مسلمانوں کو اس قید سے نجات مل گئی۔

واضح رہے کہ اسلام کے اس سخت ترین دور میں بنی ہاشم کے علاوہ کسی شخص کا بھی ذکر تاریخ اسلام میں نہیں ہے اور نہ کوئی سابق الاسلام اسلام کے اس دردوغم میں شریک رہا اور نہ اسلام کی خاطر کسی طرح کی قربانی دی۔

شعب ابی طالبؑ کے ان مصائب نے بنی ہاشم کو اس قدر متاثر کیا اور تین سال کے فاقوں اور درختوں کے پتوں پر گزارہ کرنے کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد جناب ابوطالبؑ کا انتقال ہو گیا اور رمادمبارکہ میں جناب خدیجہؑ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں اور اسلام اپنے دونوں پشت پناہوں سے محروم ہو گیا۔ اب نہ ابوطالبؑ جیسے مردِ آہن اور باوقار بزرگ رہ گیا، نہ خدیجہؑ جیسی صاحب دولت اور با اخلاص خاتون۔ رسولِ اکرمؐ پر ان حادثات کا اس قدر اثر ہوا کہ آپ نے پورے سال کو عام الحزن کا نام دے دیا اور اسلام کے مصائب کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

بقیہ باب المسائل

بات زدِعام زبان پر لا رہے ہیں کہ قبلہ نے اپنا نیا وصیت نامہ تحریر فرمایا ہے اور ایک کتاب بھی تحریر فرمائی ہے اور ساتھ یہ تحریر کیا ہے کہ یہ کتاب میری موت کے بعد پبلش کی جائے اور اس کتاب میں اپنی تالیف شدہ پہلی تمام کتابوں کی نفی فرما دی ہے۔ وضاحتی جواب سے نوازیں۔ خداوند کریم آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

جواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

صرف یہ بات درست ہے کہ میں نے مدت مدید سے اپنی وصیت لکھ کر رکھی ہوئی ہے۔ لیکن جس بات کا تہمت تراش نے تذکرہ کیا ہے اس کا اس میں نام ونشان بھی موجود نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی ایسی کتاب لکھی ہے جس میں مذکورہ بالا بات درج ہو۔ میں اس مقام پر صرف یہ آیت ہی پڑھ سکتا ہوں کہ "لعنت اللہ علی الکاذبین" ارشاد خداوندی ہے کہ: انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون (القرآن) کہ تہمت تراشی بے ایمان لوگ ہی کرتے ہیں۔ جس کا جی چاہے وہ وصیت نامہ پڑھ سکتا ہے۔

تحریر: علامہ آفتاب حسین الجوادی

عبدالشکور صاحبؒ کی ایک اور تحقیق قابلِ ملاحظہ ہے:

موصوف مذہبی تعصب اور جنونیت میں اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ حرانی کی طرح اہل بیت اطہار علیہم السلام کی شان اقدس میں مروی صحیح احادیث کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے مثلاً حدیث ثقلین کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اہل سنت کے یہاں اس (حدیث ثقلین) کو اخبارِ احاد سے زیادہ کوئی رتبہ نہیں ملا بلکہ احاد کی بھی اعلیٰ قسم نہیں حتی کہ صحیح بخاری اس کے ذکر سے خالی ہے صحیح مسلم میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں (یازدہ نجوم صفحہ ۲۱۶ طبع دار المبلغین پاٹانالہ لکھنؤ)

اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۱۸ کے حاشیہ پر حدیث غدیر کے متعلق اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی انگوٹھی والی روایت کے متعلق ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "انگوٹھی والی روایت کے متعلق امام صاحب کا یہ فرمانا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کذب صریح ہے علمائے اہل سنت نے ہرگز اتفاق نہیں کیا بلکہ اکابر علماء نے اس روایت کے جعلی ہونے کی تصریح کی ہے...... من کنت مولاہ والی روایت کا بھی یہی حال ہے بڑے بڑے محدثین اہل سنت اس کو موضوع کہہ رہے ہیں"۔

آپ امانت و دیانت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس بات کا جائزہ لیں کہ سلفی صاحب کے "امام" نے محض اہل بیت دشمنی میں حدیث ثقلین کو خبر احاد سے بھی کم تر قرار دیا ہے حالانکہ یہ حدیث بالفاظ قرآن و اہل بیت علیہم السلام صحیح مسلم باب فضائل علی جلد ۲، صفحہ ۲۷۹، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ میں موجود ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ "صحیح مسلم میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں" بہت بڑا جھوٹ ہے۔ حالانکہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ: انا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدیٰ والنور ...... و اہل بیتی...... الخ۔ رہا یہ کہ صحیح بخاری اس کے ذکر سے خالی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ حدیث کہ جو بخاری میں نہ ہو وہ درجہ صحت پر نہیں اترتی؟ بلکہ ایسا نہیں ہے بہت ساری احادیث صحیحہ ایسی ہیں کہ جو صحیح بخاری میں موجود نہیں ہیں اس سلسلے میں اصول پر لکھی گئی مشہور کتاب مقدمہ ابن صلاح کو دیکھا جا سکتا ہے مزید برآں بہت سے علماء و محدثین نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی اس حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں: باید دانست کہ باتفاق شیعہ و سنی ایں حدیث ثابت است کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود: انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکم بھما لن تضلو ابعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی۔ "جان لیجئے کہ باتفاق شیعہ و سنی یہ حدیث ثابت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوں

گے یہ ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ایک خدا کی کتاب قرآن مجید اور دوسری میری اہل بیت ہیں"۔

(تحفہ اثناعشریہ باب چہارم صفحہ ۱۳۹ مطبوعہ فخر المطابع دہلی ۱۲۶۹ھ، فتاویٰ عزیزی جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

شاہ صاحب اس حدیث مبارکہ کے متصل ہی یہ بات لکھنے پہ مجبور ہو گئے کہ پس معلوم شد کہ در مقدمات دینی واحکام شرعی مارا پیغمبر حوالہ باین دو چیز عظیم القدر فرمودہ است پس، مذہبے کہ مخالف این دو ماشد در امور شرعیہ عقیدۃ وعملا باطل ونامعتبر است وہرکہ انکار این دو بزرگ نماید گمراہ وخارج از دین است۔ "پس معلوم ہوا کہ دینی مقدمات اور شرعی احکام میں پیغمبر ﷺ نے ہم کو ان دونوں (قرآن واہل بیت) عظیم القدر کے حوالے فرمایا ہے کہ پس جو مذہب ان دونوں کے خلاف ہو گا وہ احکام شریعت میں عقیدۃً اور عملاً باطل اور غیر معتبر ہے جو کوئی ان دو عظیم القدر چیزوں سے انکار کرے وہ گمراہ اور دین اسلام سے خارج ہے"

تحفہ شیعہ اثناعشریہ کے اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر ۱ پر لکھا ہے وخالف فی ذلک النواصب الخوارج وقالوا للتمسک فی الشرعیات ہو القرآن فقط ...... لخ "نواصب وخوارج اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں صرف قرآن مجید سے تمسک کا حکم ہے"۔

اس عبارت سے یہ امر واضح ہوا کہ جو لوگ اہل بیتؑ کے ارشادات واقوال کو چھوڑ کر صرف قرآن مجید پر ہی عمل پیرا ہوتے ہیں وہ ناصبی اور خارجی ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح مولانا قاسم نانوتوی صاحب حدیث ثقلین کے ذیل میں بڑے شد ومد سے لکھتے ہیں کہ: "اس حدیث کو سنی شیعہ دونوں فریق بالاتفاق بسر وچشم رکھتے ہیں اور اس کے حدیث ہونے کے قائل ہیں" (ملاحظہ ہو۔ ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۱۴۵، مطبع احمدی دہلی ۱۳۲۱ھ) مزید لکھتے ہیں: "حدیث ثقلین کو سبھی مانتے ہیں" (الاجوبۃ الکاملۃ، صفحہ ۸، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ، کذافی اجوبہ اربعین، حصہ اول، صفحہ ۴۵، مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۹۱ھ) اسی طرح رشید احمد گنگوہی نے ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۴۵،۴۸، مطبع ہاشمی میرٹھ میں تحریر کیا ہے۔

ابن تیمیہ حرانی نے ان الفاظ میں حدیث ثقلین کو نقل کیا ہے: وقد ثبت فی الصحیح عن النبی ﷺ ...... انی تارک فیکم الثقلین...... لخ "بے شک حضرت نبی اکرم ﷺ سے صحیح (حدیث) میں ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں دو گراں قدر چیزیں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں ......" (منہاج السنہ، جلد ۲، صفحہ ۲۵۰، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق مصر، الطبعۃ الاولی ۱۳۲۱ھ) اسی طرح ان کے تلمیذ خاص حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے آیت مودت کے ذیل میں لکھا ہے: وقد ثبت فی الصحیح ان رسول اللہ ﷺ قال فی خطبتہ بغدیر خم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی وانہما لم یتفرقا حتی یردا علی الحوض

"اور بلا شبہ صحیح (حدیث) میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غدیر خم کے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور دوسری میری عترت اہل بیت، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۱۳، طبع دار احیاء الکتب العربیہ مصر)

مولانا محمد نافع صاحب کا اعتراف:

قارئین کے لیے یہاں ایک پُر لطف واقعہ کو صفحۂ قرطاس پر لانا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ راقم السطور کو شوال المکرم ۱۴۲۶ھ بمطابق نومبر ۲۰۰۵ء میں کسی پروگرام کے سلسلے میں جھنگ جانا ہوا، تو واپسی کے موقع پر مولانا محمد نافع صاحب کو ملنے کے لئے محمدی شریف گیا وہاں ان سے طویل ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ دورانِ گفتگو میں نے حدیث ثقلین کی اسناد کے بارے میں دریافت کیا اور ان کی کتاب ''حدیث ثقلین'' کی تردید میں لکھی گئی کتب کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فوراً کہا کہ میں نے اس حدیث کی صحت سے کلی طور پر انکار نہیں کیا، کیونکہ اس کی بعض اسناد صحیح ہیں۔ میں نے اسی کتاب کے صفحہ ۳۵ کے حاشیہ پر اس کا اعتراف کرلیا ہے۔ چنانچہ میں نے فوراً کتاب اٹھائی جو ان کی ٹیبل پر پڑی تھی اور اس کا محولہ بالا صفحہ دیکھا تو اس کے حاشیہ نمبر ۱ پر یہ عبارت موجود تھی جو میں نے وہی پڑھ کر سنا دی وہ عبارت یہ ہے: ''رسالہ ہذا ملاحظہ کرنے سے معلوم ہو سکے گا کہ کس کس روایت کے اسناد کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ مثلاً مسند احمدؒ کی روایت ہشتم اور مسند دارمی کی روایت و صحیح مسلم کی روایت وغیرہ وغیرہ کی صحت اسناد کو درست کہا ہے اور صرف ان کے متنوں کے مطالب سے بحث کی گئی ہے۔ بنابریں مؤلف رسالہ ہذا کے حق میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس نے ''روایتِ ثقلین'' کے تمام اسانید پر جرح کرکے انہیں رد کر دیا ہے'' (رسالہ حدیث ثقلین صفحہ ۳۵، حاشیہ نمبر ۱، ناشر تخلیقات لاہور) تو میں نے مولانا موصوف سے یہ کہا کہ ایسی کوئی حدیث آپ کو کتب احادیث میں دکھائی نہیں دے گی کہ جس کے سلسلہ طرق و اسانید میں کوئی ایک سلسلہ سند ضعیف نہ ہو، اگر اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے تو ایسی تمام احادیث کی بعض اسناد پر جرح و تنقید کرکے ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے جس طرح آپ کی یہ کتاب (حدیث ثقلین) ہے، لہٰذا جب آپ نے حدیث ثقلین کے بعض طرق کی صحت کو تسلیم کرلیا ہے تو حدیث کے اصول و قواعد کے تحت آپ کی یہ کتاب کالعدم ہے۔ کہنے لگے کہ واقعی یہ کتاب اب شائع کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ یہ لوگ مذہبی تعصب میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ دن دہاڑے چمکتے ہوئے سورج کا انکار کرنے لگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے روشن حقائق سے انکار کرتے ہوئے عوام کو حق سے کوسوں دور کر دیا اور ابھی تک حق کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ سلفی صاحب جیسے لوگ انہیں ''امام اہل سنت'' اور نجانے کیا کیا القابات سے نوازتے ہیں، ان کی اندھی تقلید میں خود بھی اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

مولانا نافع کا دنیا سے جاتے ہوئے سفید جھوٹ اور سلفی کی تضاد بیانی:

ابھی ماہنامہ ''حق چار یار'' کے تازہ شمارے میں سلفی صاحب کی تضاد بیانی اور مولانا محمد نافع صاحب کا صریح جھوٹ ملاحظہ کرتے چلیے، چنانچہ سلفی صاحب ماہنامہ ''افکار العارف'' نومبر ۲۰۱۴، صفحہ نمبر ۴۹ کے حوالے سے ہمارے مضمون سے ایک اقتباس کے متعلق یوں ''گوہر افشانی'' کرتے ہیں: ''ہم جناب جوادی صاحب کے ایک تازہ فریب اور جھوٹ کی نقاب کشائی کرتے چلیں تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو کہ جھوٹ کو ان لوگوں نے کس طرح حرزِ جان بنا رکھا ہے، جوادی صاحب محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ سے اپنی ایک ملاقات کی رُوداد اپنے

اجہل حواریوں کو یوں سُناتے ہیں: " راقم السطور کو شوال المکرم ۱۴۲۶ھ بمطابق نومبر ۲۰۰۴ء میں کسی پروگرام کے سلسلے میں جھنگ جانا ہوا تو واپسی پر مولانا محمد نافع صاحب کو ملنے کے لیے محمدی شریف گیا...... الخ (ماہنامہ حق چار یار، جنوری ۲۰۱۵ء، صفحہ ۲۵، ۲۶) سلفی صاحب کے قول کے مطابق ہمارے اِس مضمون کی مذکورہ بالا ملاقات کی رُوداد کی فوٹو کاپی مولانا نافع صاحب کو ارسال کی گئی تو اِس کے جواب میں انہوں نے مندرجہ ذیل مکتوب تحریر کیا: "تسلیماتِ مسنونہ کے بعد گزارش ہے کہ آپ کا مُرسلہ خط موصول ہوا، یاد آوری کا شکریہ، بندہ اِس وقت سابقہ حالت میں علیل اور صاحبِ فراش ہے، کسی تحریر یا مطالعہ سے قاصر ہے، اِس لیے اب تفصیلی جواب میں تو دخل دینا مشکل ہے، آفتاب صاحب نے جو میری ملاقات کا ذکر کیا ہے میری ڈائری میں مورخہ ۵ نومبر ۲۰۰۵ء کے صفحہ پر آفتاب احمد نامی ایک شخص کا ذکر موجود ہے، جس نے خود کو ہائی سکول چکولیاں (چکوال) کا ماسٹر اور رہائشی قرار دیا ہے، وہ ملاقات کے لیے آیا ہے، اُس کے ساتھ حدیثِ ثقلین کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی، جو کچھ اُس نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ کذب بیانی ہے اور شیعہ لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ کذب بیانی سے باز نہیں آتے اور نہ اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔ میری کتاب "حدیثِ ثقلین" کو بحمد اللہ تعالیٰ کبار علماء نے بے حد پسند فرمایا اور اس کی بھرپور تائید کی ہے۔ مختصر گزارش ہے کہ آپ اگر محسوس نہ فرمائیں تو میرے دفاع کی تکلیف نہ فرمائیں، میرے ان مخالفین کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، دفاعِ صحابہ، اہلِ بیت و ازواجِ رسول اور دفاعِ بناتِ رسول ﷺ میری عزت و نجات کے لیے کافی شافی ہے۔ بہر کیف بہت بہت شکریہ۔ خاتمہ بالخیر کی دعا فرماتے رہیں۔ والسلام مع الاحترام۔ ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ، ۱۴-۱۱-۹"

(ماہنامہ حق چار یار، جنوری ۲۰۱۵ء، صفحہ ۲۶، ۲۷)

انسان جب قریب المرگ ہوتا ہے تو وہ اپنے گزشتہ اور آئندہ ہر قسم کے گناہ سے بارگاہِ رب کائنات میں بخشش کا خواستگار رہتا ہے، لیکن وہ شخص کتنا بدنصیب ہے جو زیست کے آخری لمحات میں بھی بجائے توبہ، تائب ہونے کے مسلسل گناہوں میں اضافہ کرتا چلا جائے۔ انہی افراد میں سے ایک مولانا محمد نافع صاحب بھی ہیں، جو ابھی وفات پا گئے ہیں، موصوف نے بسترِ مرگ پر بھی جھوٹ بولنے سے اجتناب نہیں فرمایا۔ سلفی صاحب ہمیشہ کہانیاں گھڑنے کے عادی ہیں، حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ انہوں نے کبھی ہماری علمی تحقیق کا جواب دینا تو درکنار، اس کا اشارہ تک نہیں کرتے، ان کی تحریروں میں کذبِ محض، تضاد بیانی اور اصلِ بحث سے فرار، جبکہ غیر متعلقہ، لایعنی بحثوں میں الجھنا نمایاں نظر آتا ہے۔ سلفی صاحب تو ہمیشہ جھوٹ بولتے ہی چلے آرہے ہیں، ہمیں افسوس اِن کے "محققِ زماں" پر ہے، جو دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے اکاذیب میں مزید جھوٹ کا اضافہ کر گئے۔

راقم السطور اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ کہتا ہے کہ جب اِن سے ملاقات ہوئی تو ان کے ٹیبل پر کچھ کتابیں پڑی تھیں، جن میں سے "نور الایضاح"، "حضرت ابوسفیان اور اُن کی اہلیہ" اور "حدیثِ ثقلین" بھی شامل تھیں۔ اِن کا ایک بیٹا بھی وہاں موجود تھا، بات ہو رہی تھی کتابوں کے چھپنے کی، دورانِ گفتگو ان کے بیٹے نے کہا "ہماری کچھ کتابیں پہلے ادارہ تخلیقات لاہور والوں نے شائع کی ہیں، اب ہم انہیں ادارہ دار الکتاب لاہور والوں کو شائع کرنے کی اجازت دے

رہے ہیں" ۔ اسی اثنا میں، مَیں نے کہا کہ حدیثِ ثقلین کے جوابات آچکے ہیں، مولانا سید لعل شاہ بخاری فاضلِ دارالعلوم دیوبند نے "ولایتِ علی" کے نام سے اِس کا جواب دیا ہے اور علامہ ڈھلو صاحب نے بھی کتاب "تحقیقات الفریقین" تحریر کی ہے ۔ اس پر ان کے صاحب زادے جو ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے، بخ پا ہوئے اور کہا: " افسوس اِس پر ہے کہ ہمارے علماء آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف لکھنا شروع کر دیتے ہیں" (ان کی مراد مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری تھے) اس کے فوراً بعد مولانا محمد نافع صاحب نے کہا کہ میں نے اعتراف کرلیا ہے کہ حدیثِ ثقلین کی کچھ اسناد صحیح ہیں، اور مجھے اپنی کتاب کا مُتعلقہ صفحہ بتایا، سچّی بات ہے کہ اس سے پہلے مجھے اِن کے اِس اعتراف کا علم نہیں تھا۔فوراً میں نے کتاب اٹھا کر مُتعلقہ صفحہ کے حاشیہ سے عبارت سُنادی ...... بعد ازاں "فیض الباری" جلد سوم، صفحہ ۳۹۵ کی وہ عبارت کہ جس میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے قرآنِ مجید کی لفظی تحریف کا اقرار کیا ہے، وہ بھی دریافت کی، ساتھ میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں آپ کا ذاتی کتب خانہ دیکھنا چاہتا ہوں تو مولانا موصوف نے کہا کہ میرا کوئی ذاتی کتب خانہ نہیں ہے، میں اپنے مدرسہ کی لائبریری سے استفادہ کرتا ہوں، تو میں نے کہا کتاب "فیض الباری" کی تیسری جلد مدرسہ کی لائبریری سے منگوالیں تا کہ اِس مطلُوبہ عبارت کو دیکھا جا سکے، تو اِنہوں نے ایک طالب علم کو چوک والی مسجد کے خطیب کو بلانے کے لیے بھیجا، تھوڑی دیر بعد وہ آگئے ۔ آج بھی اُن کی صورت ذہن میں محفوظ ہے، مولانا موصوف نے اُنہیں لائبریری کی چابی دیکر کتاب لانے کا کہا، تو مَیں نے کہا مَیں بھی ان کے ساتھ چلتا ہوں تاکہ جامعہ کی لائبریری بھی دیکھ لوں ۔ ہم دونوں چلے، لائبریری سے مطلُوبہ جلد اُٹھا کر لائے، جب وہ عبارت نکالی گئی تو مولانا موصوف کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں طور پر نظر آرہے تھے ۔ بہر کیف مولانا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے، خود بھی متذبذب ہو کر کہنے لگے اس پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے ۔

اب مولانا محمد نافع صاحب کا اِس سلسلے میں ہونے والی گفتگو سے یکسر انکار کرنا کذبِ صریح نہیں تو اور کیا ہے؟ حیرت کی بات ہے کہ مولانا کو جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ دورانِ گفتگو، ہی بات ہوئی جو اِنہوں نے خود اپنی کتاب "حدیثِ ثقلین" کے صفحہ ۳۵ کے حاشیہ نمبر ا پر لکھی ہے ۔

سلفی صاحب مولانا کو زحمت دینے سے پہلے اِن کی کتاب کا حاشیہ ہی دیکھ لیتے تو ہماری دورانِ ملاقات اِس گفتگو کی تصدیق کی نوبت ہی پیش نہیں آتی ۔ از روئے انصاف فرمائیے کہ اصولِ حدیث کے تحت اگر کسی حدیث کی صرف ایک سند صحیح ثابت ہو جائے، تو دیگر اسناد اگر چہ ضعیف و کمزور ہی کیوں نہ ہوں، بہر کیف وہ حدیث ثابت ہو جائے گی ۔ مولانا نافع کا یہ اعتراف " مسند احمد کی روایت ہشتم، اور مسند دارمی کی روایت و صحیح مسلم کی روایت وغیرہ وغیرہ کی صحتِ اسناد کو درست کہا ہے" ۔

ہماری اس بات پر شاہدِ عدل ہے کہ حدیثِ ثقلین صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہے، بنابریں اِن کی یہ کتاب قانونی اور اصولی طور پر کالعدم ہے ۔

آئیے اِن کی کتاب " حدیثِ ثقلین" پر صرف ایک اجمالی نظر ہی ڈال لیں، تو اِن کی خیانتیں، بددیانتیاں اور نقلِ عبارات میں قطع و برید نکھر کر سامنے آجاتی ہیں ۔

مثال کے طور پر

① صفحہ ۴۳ پر عطیہ بن سعد عوفی جدلی پر جرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "تقریب التہذیب" صفحہ ۳۶۳، طبع لکھنؤ سے عبارت نقل کی ہے جس کے درمیان سے لفظِ "صدوق" کو حذف کر دیا ہے۔ حالانکہ عطیہ عوفی کی توثیقات "تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین" صفحہ ۲۴۷، "طبقات ابن سعد" جلد ۶، صفحہ ۲۱۳، طبع لیدن، "تہذیب التہذیب" جلد ۷، صفحہ ۲۲۵، طبع دکن، "تاریخ یحییٰ ابن معین" جلد ۲، صفحہ ۴۰۶، طبع حلب وغیرہا دیکھی جاسکتی ہیں۔

② صفحہ نمبر ۷۷ پر محمد بن فضیل جو بخاری و مسلم دونوں کے راوی ہیں، انہیں مجروح قرار دیا جبکہ ان کے متعلق کتب رجال میں یہ تصریح ملتی ہے: ثقة ثبت فی الحدیث، متفق علی توثیقه، اخرج له الجماعة جیسے توثیقاتی کلمات آئے ہیں (ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب، تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین وغیرہ کتبِ رجال)

③ صفحہ نمبر ۸۷ و ۸۸ پر علامہ ذہبی کی کتاب "میزان الاعتدال" جلد ۳، صفحہ ۳۸۲ سے ابو معاویہ محمد بن خازم کے متعلق عبارت کا ادھورا ٹکڑا نقل کر دیا لیکن ان کی توثیق نقل نہیں کی، یہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ (ملاحظہ ہو: رجال الصحیحین للقیسرانی، جلد ۲، صفحہ ۴۴۳، طبع دکن وغیرہ) جس سند میں ابو معاویہ ہے، وہ روایت حافظ ابن کثیر نے "البدایة والنہایة" جلد ۵، صفحہ ۲۰۹، مطبعة السعادة، مصر، ۱۳۵۲ھ میں امام نسائی کی تصنیف "السنن الکبریٰ" نقل کی ہے۔ ابو معاویہ نے یہ روایت اپنے استاد اعمش سے لی ہے، یہ جب کوئی روایت اعمش سے لیں تو وہ روایت اضطراب سے خالی ہوتی ہے جیسا کہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں و یضطرب فی غیر حدیث الاعمش "اعمش کے علاوہ کسی دوسرے راوی سے یہ روایت کریں تو یہ اضطراب کرتے ہیں" (تذکرة الحفاظ، جلد ۱، صفحہ ۲۷۱، طبع دکن) یہ حدیث (ثقلین) انہوں نے اعمش سے روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔

④ صفحہ ۱۳۰ پر عبدالملک بن محمد الرقاشی اور خلف بن سالم مخرمی، دونوں راوی قابلِ وثوق ہیں، ان پر مفسّر جرح نہیں ہے، مولانا نے قطع و برید کر کے مبہم جرح کے الفاظ نقل کر دیے، ان کی توثیق نقل نہیں کی، انہیں متنازع بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ان کی توثیقات کے لیے ملاحظہ ہو۔
(تذکرة الحفاظ اور میزان الاعتدال وغیرہ)

دراصل مولانا محمد نافع صاحب حدیث کے قواعد و اصول سے بالکل نابلد تھے، بنابریں اِن ضابطوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ پامال کرتے رہے، چنانچہ ایک مقام پر ترمذی کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: "امام ترمذی نے روایتِ ثقلین کو غریب کے لقب سے یاد کیا ہے، جیسا کہ عنقریب گزرا ہے......الخ" (حدیثِ ثقلین، صفحہ ۸۷، ناشر تخلیقات لاہور) حالانکہ غرابت موجبِ جرح نہیں ہے، خبرِ واحد کو غریب کہا جاتا ہے۔ خبرِ واحد ہونا کوئی جرح نہیں ہے جیسا کہ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم اپنی تصنیف "فواتح الرحموت شرح مُسلّم الثبوت" میں لکھتے ہیں: وحدة الراوی لیس بجرح عندنا "وحدتِ راوی ہمارے نزدیک جرح نہیں ہے" مزید براں شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر کرتے ہیں: ان الغرابة لا تنافی الصحة و یجوز ان یکون الحدیث صحیحاً غریباً "بلاشک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور صحیح حدیث کا غریب ہونا جائز ہے" (مقدمہ مشکوٰة، صفحہ ۶، طبع محمدی، بمبئی)

مولانا نافع صاحب کی اس قدر علمی یتیمی پر ہمیں ترس

آتا ہے، حدیث پر خامہ فرسائی کرنے سے پہلے کم از کم اصولِ حدیث کے مبادیات کو پڑھ، سمجھ لیتے تو ایسی جہالتوں کا ارتکاب کر کے اہلِ علم کے ہاں شرمندگی و رسوائی سے دو چار نہ ہوتے۔ اب ان حقائق کے باوجود سلفی صاحب کا مجذوبانہ انداز میں یہ واویلا کرنا ''......نہ ہی ہم (سلفی) جیسے طلباء اس قابل ہیں کہ مولانا محمد نافع مدظلہ کے جبالِ علم کی چوٹی دیکھتے دیکھتے اپنی ٹوپیاں گم کر بیٹھیں'' انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

اگر سلفی صاحب کے یہی جبالِ علم ہیں اور ان کی چوٹی دیکھنے سے سلفی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی ''ٹوپیاں'' گم ہو جاتی ہیں تو ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ یہیں سے سلفی صاحب جیسے مریدوں اور طلباء کی حالتِ زار کا اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہیں ہوگا۔ بقولِ غالب مرحوم ؎

تنگ پیری ہے جوانی میری

مولانا نافع صاحب نے اپنے خط میں جس ملاقاتی کا تذکرہ کیا ہے، ممکن ہے چکوالیاں کا رہائشی آفتاب نامی شخص اسی مہینے میں ان سے ملا ہو، اس سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔ راقم السطور نے واضح طور پر اپنا تعارف کروایا تھا، اپنا مکمل نام اور علاقہ بھی بتایا تھا، بندہ چکوالیاں کا رہائشی ہے ہی نہیں۔ بنابریں راقم السطور کو یہی شخص قرار دینا انتہائی غلطی ہے۔

بہرکیف ہماری ملاقات کا سرے سے ہی انکار کیا جائے یا یہ کہا جائے کہ حدیثِ ثقلین پر گفتگو ہوئی ہی نہیں، ہر دو صورتوں میں، جو بات ہم نے ملاقات کے ضمن میں درج کی ہے، وہی بات مولانا نافع کی کالعدم کتاب ''حدیثِ ثقلین'' کے محولہ بالا حاشیہ پر مذکور ہے۔

ہمارا مدعا یہی تھا کہ حدیثِ ثقلین کی تمام اسناد ضعیف نہیں ہیں بلکہ اس حدیث کی بعض اسناد صحیح بھی ہیں۔ اس حقیقت کو تو مولانا خود تسلیم کر رہے ہیں تو ہمیں کس بات پر جھٹلایا جا رہا ہے؟

مولانا نافع صاحب کا یہ کہنا ''حدیثِ ثقلین کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی، جو کچھ اُس نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ کذب بیانی ہے'' بہت بڑا جھوٹ ہے، ہم نے اپنے مضمون میں وہی کہا ہے جس کا انہوں نے خود اپنی کتاب میں اعتراف کیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس خط میں موضوعِ گفتگو حدیثِ ثقلین کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ ہمارا اصل مدعا بھی یہی تھا، اب کذب بیانی کا مرتکب کون ہے، فیصلہ سلفی صاحب اور اُن کے خدامی خود کریں۔

قارئین گرامی قدر! اب سلفی صاحب کا ہمارے متعلق یہ ہرزہ سرائی و ژاژخائی کرنا کہ ''جوادی صاحب کے ایک تازہ فریب اور جھوٹ کی نقاب کشائی کرتے چلیں......'' کس قدر دروغ بافی اور افتراء پردازی ہے۔ دیکھا آپ نے کہ مولانا نافع اور سلفی صاحب ہر دو پیر و مرید نے کس طرح جھوٹ و فریب کو حرزِ جان بنا رکھا ہے؟

یہ فیصلہ تو اہلِ علم کریں گے کہ کذب بیانی کو عادت بنانے والے شیعہ ہیں یا امویوں کے حامی، تکفیری ناصبی۔ ہم نے اپنی انہی اقساط میں مولانا عبدالشکور، مولانا کرم دین، قاضی مظہر حسین، ڈاکٹر خالد محمود صاحب، مولانا نافع صاحب اور سلفی صاحب وغیرہ کے کئی اکاذیب سے پردہ اٹھایا ہے اور آئندہ بھی ان کے جھوٹ کو بے نقاب کرتے رہیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ ان کی بنیاد ہی جھوٹ پر استوار اور ان کی کتب ہی جھوٹ کا پلندہ ہیں، ہمارا مقصد قارئین کو ان کے شر سے محفوظ رکھنا ہے۔

مولانا نے جاتے جاتے اپنے خط میں "اہلِ بیت و ازواجِ رسول" کے الفاظ جدا جدا لکھ کر بالآخر اس حقیقت کا اعتراف کر ہی لیا ہے کہ ازواجِ نبی ﷺ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام میں شامل نہیں ہیں۔ مولانا کا خود کو مدافعِ صحابہ، اہلِ بیت اور ازواجِ رسول کہنا ناقابلِ فہم ہے، کیونکہ انہوں نے حدیثِ ثقلین میں ثقلِ ثانی کا مصداق اہلِ بیت کو تسلیم نہیں کیا اور اسے متنازع بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے، حالانکہ حدیثِ ثقلین میں واوِ عاطفہ واضح طور پر گواہی دے رہی ہے کہ اس کا معطوف علیہ یقیناً اولہما کتاب اللہ ہے۔ نیز محدثین اور شارحین نے بھی اس حدیث کی یہی تشریح کی ہے جیسا کہ ملاعلی قاری حنفی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں و اھل بیتی ای ثانیھما اھل بیتی کہ ان دو میں سے دوسرا ثقل اہلِ بیت ہیں (مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد ۵، صفحہ ۶۰۶، مطبعہ میمنیہ مصر)

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر کرتے ہیں پس تر فرمود آں حضرت دوم اھلِ بیتِ من اند کہ دوسرا ثقل میری اہلِ بیت ہیں۔

(اشعۃ اللمعات، جلد ۴، صفحہ ۶۷۷، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء)

صحیح مسلم کے مشہور شارح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں، مولانا محمد طاہر پٹنی نے اپنی لغتِ حدیث میں معروف کتاب "مجمع البحار" اور نواب صدیق حسن خان نے "السراج الوہاج شرح صحیح مسلم ابن حجاج" میں اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کو ہی ثقلِ ثانی قرار دیا ہے۔ اب خدا ہی اس معمہ کی عقدہ کشائی کریں کہ آپ کے یہ سب محدثین و شارحینِ حدیث سے مولانا نافع صاحب حدیث پر زیادہ دسترس رکھتے تھے؟ یا بغضِ اہلِ بیت کا خمار تھا کہ ثقلِ ثانی کے اصل مصداق اہلِ بیت کا انکار کر دیا۔ سلفی صاحب حسبِ عادت بڑ ہانکتے ہیں: "مماتی علماء میں سے مولانا سید لعل شاہ صاحب وغیرہ نے جو تنقیدی تبصرے لکھے ہیں وہ ہمارے دیکھے ہوئے ہیں اور سُنی علماء نے وہ معیارِ تحقیق سے گرے قرار دیئے ہیں"

(ماہنامہ حق چاریار، جنوری ۲۰۱۵ء صفحہ ۲۸)

آخر سچ زبان سے نکل ہی جاتا ہے، سلفی صاحب نے مولانا سید لعل شاہ صاحب کو مماتی علماءِ دیوبند میں شمار کر ہی لیا ہے۔ ہم اِن سے پوچھتے ہیں کہ وہ کون سے سنی علماء ہیں کہ جنھوں نے شاہ صاحب کی کتاب" ولایتِ علی" کو" معیارِ تحقیق" سے گری ہوئی قرار دیا ہے۔ لگے ہاتھوں ذرا سنی علماء کا وہ معیارِ تحقیق بھی بتا دیجئے گا جس کے تحت مولانا نافع کی کتاب مقبول اور مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری کی کتاب گری ہوئی قرار پاتی ہے؟ جب کہ مولانا لعل شاہ بخاری نے کبار محدثین کی تصریحات کو بمع سند تحریر کیا ہے، جس کا آج تک منکرینِ ولایتِ علی جواب دینے کی جرأت نہ کر سکے اور نہ ہی طلوعِ آفتابِ قیامت تک جواب دے سکیں گے!

سلفی صاحب کا مولانا نافع کی طرف جھوٹی نسبت دینا:

مولانا نافع کھلے لفظوں میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں" مولفِ رسالہ ہذا (حدیثِ ثقلین) کے حق میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اُس نے روایتِ ثقلین کے تمام اسناد پر جرح کر کے انہیں رد کر دیا ہے" (حدیثِ ثقلین، صفحہ ۳۵، حاشیہ نمبر ۱)

اب ذرا سلفی صاحب سے سنیے:" در اصل مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ نے تو اس حدیث (ثقلین) کے تمام طُرق زیرِ بحث لاکر شیعوں کے عقیدۂ امامت کی تردید کی ہے"

(ماہنامہ حق چاریار، صفحہ ۲۸)

قارئین گرامی قدر! از راہِ انصاف بتائیے کہ مولانا محمد نافع صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں نے حدیثِ ثقلین کے

تمام اسانید و طرق کو رد نہیں کیا، لیکن اِن کے اندھے مرید سلفی صاحب اپنے پیرومرشد کی بات کے برعکس بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے تمام طرق کو زیر بحث لاکر تردید کی...... ''مدعی سست گواہ چست'' والا معاملہ دکھائی دیتا ہے۔ اب سلفی صاحب کی نافع صاحب کی طرف نسبت جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دراصل ہمارے مخاطب سلفی صاحب حق و باطل کے مابین تمیز کی صلاحیت سے بالکل عاری اور گمراہی و ہٹ دھری کی آہنی زنجیروں میں بری طرح جکڑے جاچکے ہیں کہ اب ان کی ہدایت کی امیدیں مایوسی میں بدلتی جارہی ہیں، کیونکہ انہوں نے مخصوص چشمہ لگا رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے حق و صداقت تک ان کی رسائی ناممکن ہے۔

فیصلہ خود کیجیے!

مولانا نافع کے اپنے الفاظ'' مولف رسالہ ہذا (حدیثِ ثقلین) کے حق میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اُس نے روایتِ ثقلین کے تمام اسناد پر جرح کرکے انہیں رد کر دیا ہے''۔

سلفی صاحب کے الفاظ'' دراصل مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ نے تو اس حدیث (ثقلین) کے تمام طرق زیرِ بحث لاکر شیعوں کے عقیدۂ امامت کی تردید کی ہے''۔

اب ہمارے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''(مولانا نافع سے) دورانِ گفتگو میں نے حدیث ثقلین کی اسناد کے بارے میں دریافت کیا اور ان کی کتاب'' حدیث ثقلین'' کی تردید میں لکھی گئی کتب کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فوراً کہا کہ میں نے اس حدیث کی صحت سے کلی طور پر انکار نہیں کیا کیونکہ اس کی بعض اسناد صحیح ہیں۔ میں نے اسی کتاب کے صفحہ ۳۵ کے حاشیہ پر اس کا اعتراف کرلیا ہے''۔ قارئین گرامی اب فیصلہ خود کریں کہ کون سچا اور کون جھوٹا اور فریبی ہے۔

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

سلفی صاحب ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں، مولانا نافع کی کتاب کا محولہ بالا حاشیہ دیکھیں، ہماری ملاقات کی روداد پڑھیں پھر اپنے مرشد کے خط پر نظر دوڑائیں کہ کہیں ہماری اصل بات کی تردید ہے جو لب لباب تھی کہ حدیث ثقلین کی کئی اسناد صحیح ہیں۔ خدارا سلفی صاحب اب بھی جھوٹ سے اجتناب فرمائیں، علمی بحث کو علمی ہی رہنے دیں اور اپنے اجہل حواریوں کو مزید دھوکا و گمراہی میں نہ رکھیں۔ اپنے تکفیری ٹولے میں اپنا ریٹ بڑھانے کی خاطر اپنی آخرت مزید تباہ و برباد نہ کریں۔ مولانا نافع رختِ سفر باندھ چکے ہیں، سب نے ایک دن مرنا ہے، اپنی قبر میں تنہا جانا ہے۔ خود کو اور اپنے ''خدامیوں'' کو دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچائیں۔

مولانا نافع کے استاد مولانا احمد شاہ چوکیروی صاحب کا فیصلہ کن بیان:

مولانا نافع صاحب کے استاد اور خدامیوں کے'' امام پاکستان'' مولانا احمد شاہ چوکیروی سے حدیثِ ثقلین کے متعلق سوال کیا گیا کہ'' حدیثِ ثقلین کیا ہے اور اس پر مفصل بحث فرمائی جاوے'' تو اس کے جواب میں انہوں نے مشکوۃ شریف کے صفحہ ۵۶۸ سے حضرت زید بن ارقمؓ سے اس پوری حدیث کو نقل کیا ہے۔ بعد ازاں اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے بڑے شد و مد سے رقمطراز ہیں: ''اِس حدیث کے صحیح ہونے میں آج تک کسی اہلِ علم نے شبہ نہیں کیا ہے، اس حدیث میں دو چیزوں کو عظمتِ شان کے ظاہر کرنے کے لیے ثقلین کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے جن اور انسان پر یہی لفظ استعمال فرمائی ہے۔ دیکھو سورۂ رحمان سنفرغ لکم ایھا

الثقلان یعنی اے دو بھاری جنس کے لوگو ہم تمھارے حساب کے لیے عنقریب دُنیا کے کاروبار سے فارغ ہوجائیں گے۔ تو جس طرح خداوند تبارک وتعالیٰ نے آیتِ مذکورہ میں جن اور انسان کو بھاری جنس کہہ کر ان کی عظمتِ شان سے پردہ اٹھایا ہے ٹھیک اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم اور اپنی اہلِ بیت کو دو بھاری چیزیں ارشاد فرما کر ان کی عظمت اور رفعت کو خوب اجاگر کر دیا ہے۔ پس امرِ واقعہ یہ ہے کہ جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ختم نبوت پر ایمان رکھتا ہے وہ اِن دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کی بے قدری اور استخفاف نہیں کر سکتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اہلِ اسلام میں سے مذکورہ بالا ارشادِ نبویؐ کے مطابق قرآن حکیم اور اہل بیت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی عزت اور قدردانی کس جماعت کے نصیبوں میں آئی ہے'' (جویائے حق، مشمولہ رسالہ دفع الوسواس بشرح حدیث القرطاس، صفحہ ۲، طبع سرگودھا، پندرہ روزہ ''الفاروق'' چوکیرہ، ۱۵ مئی ۱۹۵۷ئ، صفحہ ۱۸)

مولانا نافع صاحب کے استاد نے واشگاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ اہلِ علم کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ جن افراد نے حدیثِ ثقلین میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی سعیِ لاحاصل کی ہے شاہ صاحب کے نزدیک اُن کا شمار اہلِ علم میں نہیں ہے۔ مزید برآں سلفی صاحب کے خاص ممدوح مولانا اشرف سیالوی صاحب، کہ جن کے کلام سے موصوف اکثر استشہاد کیا کرتے ہیں، آئیے انھی کی زبانی سنتے ہیں کہ یہ حدیثِ ثقلین کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ سیالوی صاحب لکھتے ہیں: ''نیز اسی موقعہ (غدیر) پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ ثقلین بھی زبانِ اقدس سے بیان فرمائی کہ میں تمھارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک قرآن اور دوسری اہلِ بیت۔ جب تک اِن سے تمسّک اور اقتداء کرتے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، تو اِس حدیث میں آپ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس طرح قرآن ہادی ہے اسی طرح اہلِ بیت بھی ہادی ہیں'' (تحفۂ حسینیہ، حصہ دوم، صفحہ ۲۴۷۔ ناشر مجلس الدعوۃ الاسلامیہ سرگودھا) نیز اسی کتاب کے حصّہ سوم صفحہ ۳۵۵ پر لکھتے ہیں: ''رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اندر دو قیمتی ذرائع اور وسیلے ہدایت کے لیے چھوڑے تھے، یعنی قرآنِ مجید اور عترت و اہلِ بیت۔ جبکہ قرآن خاموش اور غیر ناطق ذریعۂ ہدایت تھا تو اہلِ بیتِ کرام اور بالخصوص ائمہ کرام تو ایسا ذریعۂ ہدایت ہونے چاہییں تھے کہ امتِ امیہ اِن کے قول وارشاد کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل پیرا ہوتی''۔

مزید براں صفحہ ۳۶۰ پر تحریر کرتے ہیں ''اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کی متفق علیہ روایت کے مطابق اہلِ بیت کرام اور قرآن مجید کا راستہ ایک ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے''۔ ہوسکتا ہے کہ سلفی صاحب اپنا روائتی رونا دھونا شروع کردیں کہ امام مسلم بن حجاج، ابن تیمیہ حرانی، حافظ ابن کثیر، شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا احمد شاہ چوکیروی، مولانا سید لعل شاہ بخاری، مولانا اشرف سیالوی اور مولانا محمد نافع وغیرہم نے ''کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہوا تھا'' یا القاءِ غیر ربانی کے سبب یہ دعویٰ کر اٹھیں ''اِن حضرات نے بعد میں رجوع کر لیا تھا''۔ ہمیں امیدِ واثق ہے کہ تسلی و تشفی کے لیے یہی کچھ کافی و شافی رہے گا۔

ضروری انتباہ:

مذکورہ بالا ناقابلِ تردید حقائق و تصریحات کو گہری نظر

سے دیکھا جائے تو حدیثِ ثقلین کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور مشککین کے شکوک و شبہات بخوبی رفع ہو سکتے ہیں۔ تاہم اِس سلسلے میں ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان حق و باطل کے درمیان پوری طرح فرق کر سکتا ہو۔ حق واضح ہو جانے کے بعد اسے بصدقِ دل قبول کرے، جیسے بنی اسرائیل نے گائے والے معاملے میں بے جا ٹال مٹول اور نکتہ چینی سے کام لیا، ایسی قبیح حرکات سے اجتناب برتنا لازم ہے۔

محترم سلفی صاحب کا مطمحِ نظر صرف حقائق کو مسخ کرنا اور اپنے ''اجہل'' خدامیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہی ہے۔ اِن کے سامنے حقائق پیش کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ جتنے علمی دلائل پیش کیے جائیں موصوف بُز اخفش کی طرح کچھ دیر بعد اپنا سر ہلانے پر اکتفاء کر کے زیرِ بحث موضوع سے فرار میں ہی عافیت جانتے ہیں۔

اِن کی ہٹ دھرمی اُن کفارِ مکہ کی سی ہے کہ جو مطالبہ تو کرتے تھے کہ ہمیں مُعجزہ دکھایئے ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن مُعجزہ دیکھ کر، اپنا پینترا بدل کر نیا راگ الاپنا شروع کر دیتے۔ موصوف ہمارے پیش کردہ ناقابلِ ردحقائق سے دانستہ طور پر غضِ بصر سے کام لیتے ہوئے اِدھر اُدھر کی رام کہانیاں دُہرانے لگتے ہیں۔

رہا انگوٹھی والی روایت کے متعلق، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت ولایت انما ولیکم اللہ ورسولہ...... جو حضرت امیرالمومنینؑ کی خلافت بلا فصل کی دلیل ہے اس سے انکار جہالت پر مبنی ہے جبکہ صحیح روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت مبارک اس وقت نازل ہوئی کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے بحالت نماز، رکوع میں ایک سائل کو انگوٹھی صدقہ میں دی۔

اس سلسلے میں ایک صحیح السند حدیث حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ان الفاظ میں مروی ہے:

حدثنا هناد بن السری قال حدثنا عبدة عن عبدالملك عن ابی جعفر قال سألته عن هذه الآية انما وليكم الله ورسوله الذين آمنوا الذين يقيمون الصلوة ويؤتون الزكوة وهم راكعون...... انها نزلت فی علی بن ابی طالب (اسناده صحيح)

(ملاحظہ ہو: تفسیر ابن جریر طبری جزء ۶، صفحہ ۱۸۶، مطبعۃ الکبریٰ بولاق مصر ۱۳۲۶ھ)

اسی طرح ''حسن'' درجے کی ایک اور روایت بھی موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:...... علی بن ابی طالب مر به سائل وهو راكع فی المسجد فاعطاه خاتمه، اس میں حضرت علی بن ابی طالب کا رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی دینے کا تذکرہ ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جزء ۶، صفحہ ۱۸۶)

علاوہ ازیں علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ قسطنطنیہ میں لکھا ہے کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ آیت انما ولیکم اللہ...... حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ عبدالشکور لکھنوی صاحب اس آیت کے نزول در شان علیؑ کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی خلافت پر دلالت کرتی ہے۔ تاہم اِن صحیح اور حسن درجے کی احادیث کی موجودگی میں عبدالشکور صاحب کی بات کی پرِ کاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے۔ ہمیں اِن نادانوں پر انتہائی افسوس ہے کہ جو نصوصِ صریحہ و احادیثِ صریحہ کے مقابلے میں غیر ذمہ دار لوگوں کی باتوں کو ترجیح دیتے ہیں، خود بھی گمراہ، دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) بالاخلاص تتفاضل مراتب المومنین

خلوص کے سایہ میں اہل ایمان کے درجات و مراتب میں تفاوت ہوتا ہے۔ (میزان الحکمۃ)

(۲) اخلص قلبك یکفك القلیل من العمل

اپنے دل کو خالص بنا آپ کا قلیل عمل بھی کافی ہوگا۔

(۳) العمل الخالص الذی لا ترید ان یحمدك علیه احد الا الله عز وجل

عمل خالص وہ ہوتا ہے جس میں آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی تعریف کے خواہش مند نہ ہوں۔

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"حضرت علی علیہ السلام سے اخلاص عمل سیکھو"

طاعت آن نیست کہ بر خاک نہی پیشانی
صدق پیش آر کہ اخلاص بہ پیشانی نیست

(۵) زمین پر پیشانی رکھنے کا نام اطاعت نہیں ہے۔ صدق دکھلاؤ کہ خلوص پیشانی میں نہیں ہے۔

(شیخ سعدی)

(۵) روٹی دریا میں ڈال دو۔ مچھلی کو نہیں معلوم کس نے ڈالی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس نے ڈالی ہے۔

اخلاصِ کامل

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام رات کو اپنے رُخِ انور پر نقاب ڈال کر کھانے اور رقم کی تھیلیاں اپنے کاندھے پر رکھ کر اپنے عزیز رشتہ دار فقیر سادات میں تقسیم فرماتے تھے۔ لوگوں کو پتا نہیں چلتا تھا کہ یہ شخص کون ہیں۔ بہت سارے لوگ آپ کے سامنے آپ کو نازیبا الفاظ کہتے تھے، اور کہتے تھے کہ واہ جی واہ! آپ کیا خوب آدمی ہیں۔ لیکن ہمارا چچا زاد علی بن الحسینؑ ہماری کوئی پروا نہیں کرتے۔ لیکن آپ کی شہادت کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ جو شخص ہر رات ان میں کھانا اور رقم تقسیم فرماتے تھے وہ امام زین العابدین علیہ السلام تھے۔ (ایمان جلد ۲ صفحہ ۶۸)

ثمرہ اخلاص

ایک مدت سے بنی اسرائیل ایک درخت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ نزدیک ہی رہنے والے ایک عابد کو اس طرف توجہ ہوئی، کلھاڑا اٹھایا اور اس درخت کی طرف روانہ ہوئے تا کہ اسے جا کر کاٹ دیں۔ شیطان ان کے راستہ میں آگیا اور ان سے مخاطب ہوا: آپ نے جو کام کیا اس کا آپ کو کیا فائدہ؟ آپ نے ایک بے فائدہ کام کے لیے کچھ دیر اپنی عبادت خواہ مخواہ روک دی۔ اسی طرح مسلسل شیطان نے انھیں وسواس میں ڈالا، تا کہ ان کو اپنے ارادہ سے ہٹائے۔ آخر کار عابد اور شیطان کے درمیان جھگڑا شروع ہوگیا۔ گویا عابد اور

شیطان باتوں باتوں میں ایک دوسرے کے دست بگریبان ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر کشمکش کے بعد شیطان کو شکست ہوئی۔ عابد اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا، شیطان نے التجاء کی: مجھے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دو۔ میں آپ سے ایک درخواست کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو پسند ہوا تو عمل کرنا، اگر آپ کو پسند نہ ہوا تو چھوڑ دینا۔ اور جو آپ کی مرضی ہو وہی کرنا۔ عابد نے اسے چھوڑ دیا، اور پوچھا۔ اچھا چلو بتاؤ۔ شیطان نے کہا: میں جانتا ہوں آپ ایک نادار، فقیر اور محتاج شخص ہیں، اور بھی بہت سارے لوگ نادار ادھر ہیں۔ اگر آپ اس درخت کو کاٹنے سے باز آجائیں تو میں روزانہ دو دینار آپ کو لا کر دوں گا، تا کہ آپ اپنے اور دوسرے محتاج و فقیر لوگوں کے اخراجات پر صرف کریں۔ اگر آپ کو میری یہ درخواست قبول ہے تو روزانہ آپ کو آپ کے بستر کر تکیہ کے نیچے سے دو دینار مل جایا کریں گے، آپ اٹھا لیا کریں۔

عابد کو شیطان کی یہ درخواست اچھی معلوم ہوئی اور درخت کاٹنے کے ارادے بدل گئے۔ عابد کو اس کے بعد دو دن تک مسلسل وعدہ کے مطابق دو دینار تکیہ کے نیچے سے ملتے رہے، لیکن تیسرے دن پوری کوشش کے باوجود تلاش کرنے پر بھی نہ ملے۔

عابد نے پھر سے کلھاڑا کندھے پر لیا، اور درخت کاٹنے کے ارادہ سے روانہ ہوا، اسے پھر سے راستہ میں شیطان کا سامنا ہوا، اور پھر سے دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ لیکن اس بار پہلے کے برعکس عابد کو شکست ہوئی اور شیطان کو غلبہ حاصل ہوا۔ عابد زمین پر گر پڑا، اور شیطان اس کے سینہ پر سوار ہو گیا، اور دھمکی آمیز لہجہ میں بولا: اب بتاؤ درخت کاٹنے سے باز آجاؤ، ورنہ اسی وقت تمھارا سر قلم کر دوں گا۔

عابد نے التجاء کی اور منت سماجت کر کے اپنے آپ کو آزاد کروایا، اور پھر شیطان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ قبل ازیں بھی ہمارا مقابلہ ہوا تھا، لیکن میں جیت گیا تھا، اور تجھے ہار ہوئی تھی۔ لیکن اس بار تیری جیت کا راز کیا ہے"

شیطان نے کہا: چونکہ پہلی مرتبہ تو نیک نیتی اور خدا کی رضا کے خاطر آیا تھا، اس لیے تجھے غلبہ حاصل ہوا۔ یہ بات مُسلّم ہے کہ ہمیں ایسے افراد پر جو خدا کے لیے کام کرتے ہیں اور ان کی نیت خالص ہوتی ہے طاقت حاصل نہیں ہے۔

اسی لیے پہلی مرتبہ نتیجہ آپ کے حق میں تھا۔ لیکن اب دوسری بار آپ خدا کے لیے نہیں بلکہ دیناروں کے لیے آئے ہیں تو آپ کو شکست ہوئی ہے۔

(داستانہا و پندہا جلد ۴ صفحہ ۱۴۲۔۱۴۳)

آدمی کا فریضہ

بنی اسرائیل کے ایک عابد ستّر سال تک عبادت میں مشغول رہے۔ خداوند متعال نے اس کے خلوصِ نیت سے ملائکہ کو آگاہ کرنا چاہا۔ ایک فرشتہ کو روانہ فرمایا کہ عابد سے جا کر کہے اسے ان تمام عبادات و ریاضات کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس کی اس عبادت سے بہشت کا مستحق ہونا ممکن نہیں۔

عابد نے جواب دیا: خداوند ذوالجلال نے ہمیں بنایا ہے، اور عبادت کا حکم دیا ہے۔ ہمیں اس کی بندگی کرنا ہے۔ ہم صرف اس کے حکم کی تعمیل کے لیے

عبادت کرتے ہیں۔ ہمیں لازم ہے کہ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں اور بس۔

(احلیٰ من العسل جلد ۲ صفحہ ۸۴۱)

کتے پر رحم

بنی اسرائیل کا ایک شخص مشہور گناہگار تھا۔ ایک دن ایک کنوئیں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اسے کنوئیں کے کنارے پیاسا کتّا نظر آیا۔ اس نے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور ایک برتن سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا، پانی نکال کر کتے کو سیراب کر دیا۔ خداوند متعال کو اس گناہگار کا یہ عمل پسند آیا۔ اپنے ایک نبی کے ذریعہ اسے خبر دی۔ مجھے اس شخص کی یہ نیکی پسند آئی ہے۔ اور میں اس سے اپنی مخلوق سے محبّت کرنے کی وجہ سے راضی ہو گیا ہوں۔ اور میں نے اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ جب اس گناہگار شخص کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے توبہ کر لی اور نیک سیرت ہو گیا۔

(احلیٰ من العسل جلد ۲ صفحہ ۹۱۳)

صرف خدا کے لیے

جناب شیخ محدث قمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنی کتاب منازل الآخرۃ کی تالیف اور شائع ہونے کے بعد قم آیا تو دیکھا کہ شیخ عبدالرزاق مسئلہ گو میری کتاب پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔ ایک دن میرے والد گرامی نے مجھے فرمایا: شیخ عباس میرا دل چاہتا ہے اے کاش آپ بھی اس شیخ عبدالرزاق مسئلہ گو کی طرح ہوتے اور جو کتاب وہ ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں آپ بھی اس طرح پڑھ کر سناتے۔

مجھے چند بار تو خیال گزرا کہ اپنے والد سے عرض کروں کہ بابا جان وہ میری لکھی ہوئی کتاب ہی تو ہے جو پڑھ کر سناتے ہیں۔ لیکن میں نے ایسے نہ کہا۔ صرف اتنا عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعا فرماویں کہ خداوند متعال مجھے ایسی توفیق عنایت فرمائے۔

(احلیٰ من العسل جلد ۲ صفحہ ۹۱۳)

مسجد میں اعتکاف

مالک دینار اوائل عمر میں صراف تھے۔ کاروبار بھی اچھا چل رہا تھا۔ اسے بعض مالی فوائد کے خیال سے جامع مسجد بنی امیہ شام کے متولی ہونے کی خواہش پیدا ہوئی۔ کیونکہ اسے خیال تھا کہ اس طرح قابل قدر مالی اضافہ اسے نصیب ہوگا۔ ادھر مسجد کے متولی ہونے کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ متولی ہونے کے لیے زاہد ترین شخص ہونا ضروری ہے۔ اس نے اس ہوس میں اپنا سارا سرمایہ لوگوں میں بانٹ دیا، اور خود مسجد میں اعتکاف بیٹھ گیا۔ وہ جونہی کسی شخص کو مسجد میں آتا دیکھتا فوراً نماز میں مشغول ہو جاتا اور پورے خضوع و خشوع سے نماز ادا کرنے لگتا۔ لیک جونہی کوئی شخص اس کا پاس سر گزرتا اسے مخاطب ہو کر کہتا: "مالک کن خیالوں میں کھو گئے ہو؟"۔

کچھ عرصہ اسی حالت میں گزر گیا اور وہ پابندی سے ایسا ہی کرتا رہا۔ ایک شب اسے اپنے آپ خیال گزرا کہ میں کس بے فائدہ خیال اور آرزو کے درپے ہو گیا ہوں اور اپنے آپ کو اس حالت میں مبتلا کر دیا ہے۔ میرا مال، میری اس خواہش میں لٹ گیا، لوگوں کو بھی میرے اصل مقصد کا پتا چل گیا ہے۔ خسر الدنیا و الآخرۃ۔ میری دنیا و آخرت برباد ہو رہی ہے۔

میں خسارے میں جا رہا ہوں اور اس رات واقعاً اس کا دل ٹوٹا۔ وہ بہت دکھی ہوا۔ استغفار کرنے لگا اور اپنے بے جا مال خرچ کرنے اور دکھاوے کی عبادت اور ظاہر سازی و بناوٹ سے توبہ کر لی۔ اسی حالت میں صبح تک جی بھر کر رویا۔ صبح جو بھی کوئی مسجد میں آتا اس کا احترام کرتا اور ادب و احترام کی نظر سے دیکھتا۔ سب اس کی قدر دانی کرنے لگے اور اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس قدر عزت ملی کہ پورے شام میں شہرت ہو گئی کہ وہ زاہد ترین شخص ہے۔ جب صورتِ حال اس طرح ہوئی تو اسے مسجد کی اوقاف اراضی و دیگر اموال و جائیداد کے متولی ہونے کی پیشکش ہوئی۔ لیکن اب مالک آمادہ نہ ہوا۔ جواب میں کہلا بھیجا: اب میری اپنے خدا سے دوستی ہوئی ہے۔ مجھے اس عہدہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(اخلاص و انفاق صفحہ ۹۔۱۰)

حضرت امام سجاد علیہ السلام کے غلام

ایک شخص روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط سالی ہوئی، بارشیں نہ ہوئیں، لوگوں نے دعائیں کیں۔ طلبِ باران کی نمازیں پڑھیں۔ لیکن کوئی خاص اثر ظاہر نہ ہوا۔ میں نے ایک دامن کوہ میں ایک غلام کو دیکھا جو پہاڑ کے سایہ میں مصروفِ عبادت تھا۔ اس پر اس وقت عجیب حالت طاری تھی۔ وہ اپنی مناجات میں کہہ رہا تھا: خدایا! ہم تیرے بندے تو اس طرح ہیں...... ہیں تو تیرے بندے۔ ہمارا یہ حال ہو گیا ہے۔ اپنی رحمت کو ہم سے قطع نہ فرما۔ وہ ابھی اپنی اسی عبادت و مناجات کی حالت میں تھا کہ میں دیکھا ماحول کی حالت فوراً بدلنے لگی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تبدیلی اس غلام کی دعاؤں کے اثر سے ہے۔ میں اس کی طرف گیا کہ اسے پہچان سکوں کہ یہ شخص کون ہے۔ دیکھا تو حضرت امام سجاد علیہ السلام کے گھر کا غلام تھا۔ میں نے اپنے طور پر طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو میں اسے امام علیہ السلام سے ضرور خرید کر لوں گا۔ اس لیے نہیں کہ وہ میری خدمت کرے، بلکہ اس لیے کہ میں اس کی خدمت کروں اور اس کے وجود کے فیض سے استفادہ کروں۔

میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: میں آپ سے آپ کے ایک غلام کو لینے آیا ہوں۔ آپ نے پوچھا: کونسا؟ میں اسے تلاش کر کے لے آیا۔ لیکن غلام گھبرا گیا۔ اور ناراض ہو گیا۔ میری طرف مخاطب ہوا۔ کہنے لگا: اے بندۂ خدا! تو کیوں میرے درپے ہوا۔ مجھے کیوں اس خانہ بابرکت سے دور کرتا ہے۔ تو مجھے میرے محبوب سے کیونکر جدا کرتا ہے؟

میں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنے پاس لے جاؤں اور آخر عمر تک آپ کی خدمت گزاری کروں۔ میں آپ کو دامنہ کوہ میں دعا کرتے دیکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی دعا کی وجہ سے بارانِ رحمت ہوئی ہے۔ اور آپ کی دعا کی قبولیت کا اثر ہے...... جب غلام نے میری یہ باتیں سنیں تو اپنا سر آسمان کی جانب بلند کر دیا اور کہنے لگا: خدایا! میں اپنے اور آپ کی ذاتِ اقدس کے درمیان راز دعا سے کسی کو آگاہ کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اب جب کہ اس شخص کو اس کا پتا چل گیا ہے تو میری دعا ہے کہ تو مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔ یہ کہتے ہی وہ اس دنیا سے چل بسا۔ اور جان جان آفرین کو سونپ دی۔

(داستانہائے معنوی صفحہ ۲۲۸)

مسجد بہلولؒ

ایک جگہ پر ایک مسجد تعمیر ہو رہی تھی، ادھر ہی سے بہلول کا گزر ہوا۔ پوچھا: کیا کر رہے ہو؟ جواب ملا: مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ بہلول نے پوچھا: کس لیے؟ جواب ملا: رضائے خداوند متعال کے لیے۔ بہلول کہیں سے ایک تختی نما پتھر لے آئے، جس پر لکھا ہوا تھا: "مسجد بہلول" اور رات کو پتھر مسجد کی سامنے کی دیوار میں لگا کر چلے گئے۔

مسجد کی تعمیر کے کام میں مشغول افراد جب صبح کو آئے تو دیکھا مسجد کی مرکزی دیوار پر یہ تختی نصب ہے۔ لکھا ہے: "مسجد بہلولؒ" بہت ناراض ہوئے اور بہلول کو تلاش کرنے لگے۔ بالآخر اسے پکڑ لائے۔ خوب پٹائی کی اور پوچھ گچھ کی۔ کیوں بھئی آپ دوسروں کی محنت اپنے نام کیوں کرنے لگے؟ کب سے یہ سلسلہ شروع ہے۔ کام کوئی کرے نام تمہارا ہو۔

حضرت بہلولؒ نے فرمایا: کل آپ نے ہی تو کہا تھا کہ مسجد خدا کے لیے بنا رہے ہیں۔ میری تختی سے اگر لوگوں کو غلطی لگے گی کہ مسجد بہلول نے بنائی ہے تو کیا حرج ہے۔ خداوند متعال کو تو غلطی نہیں لگتی۔ وہ تو جانتا ہے مسجد آپ لوگوں نے بنائی ہے، میں نے نہیں۔

(داستانہائے معنوی صفحہ ۲۲۹)

دستِ خدا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جب کسی فقیر کو کچھ عطا فرماتے تو جس ہاتھ سے دیتے تھے تو اپنے ہاتھ کا بوسہ لیتے تھے اور کبھی کبھی تو سائل کا ہاتھ بھی چوم لیتے تھے۔ جب آپ سے اس کے بارے سوال کیا گیا کہ آقا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: کیا آپ نے قرآن میں نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: و یاخذ الصدقات۔ اللہ تعالیٰ خود صدقات وصول فرماتا ہے۔ پس میں اس لیے اپنا ہاتھ چومتا ہوں کہ یہ سعادت اسے حاصل ہوئی کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے صدقہ وصول فرمایا۔ اور یہ بابرکت ہوا۔

زخموں کے نشان

کربلا معلیٰ میں حضرت اما حسین علیہ السلام کی شہادتِ عظمیٰ کے بعد آپ کے بدن مبارک پر کچھ ایسے زخموں کے نشان پائے گئے جو آپ کے کاندھوں پر تھے۔ لیکن وہ تیروں اور تلواروں اور نیزوں کے زخم نہ تھے۔ اس بارے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ذکر کیا گیا تو آپؑ نے وضاحت فرمائی کہ میرے والد بزرگوار راتوں کو اس قدر آٹا، خرما، اور درہم و دینار کی تھیلیاں اپنے کندھوں پر اٹھا کر فقراء و مساکین تک لے جاتے تھے کہ آپ کے کندھوں پر ان کے نشان ہو گئے تھے اور یہ نشانات وہی ہیں جو زخموں کی شکل میں نظر آرہے ہیں۔

حق برادری

اللہ تبارک و تعالیٰ نے شب ہجرت جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حضرت علی علیہ السلام قربانی کے لیے رسولِ اکرمؐ کے بستر پر سو گئے تو حضرت جبرئیل و میکائیل کے درمیان اخوت و برادری قائم فرمائی اور فرمایا میں نے تمہارے درمیان اخوت قرار دی ہے اور تمہاری ایک دوسرے

سے عمریں بھی زیادہ قرار دی ہیں۔ اب تم میں سے کون ہے جو دوسرے پر اپنے آپ کو قربان کردے۔ جبرئیل و میکائیل دونوں نے زندگی کو ترجیح دی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں فرمایا کیا تم حضرت علی بن ابی طالبؑ کی طرح ہوسکتے ہو کہ میں نے ان کے اور اپنے پیغمبرؐ کے دمیان برادری قائم کی ہے۔ وہ محمدؐ کے بستر پر سوئے ہیں، تاکہ ان پر اپنی جان قربان کریں۔ اب جاؤ اور زمین پر جاکر ان کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کرو۔ وہ دونوں فرشتے آئے اور حضرت جبرئیلؑ حضرت علی علیہ السلام کے سرہانے کھڑے ہوئے اور حضرت میکائیلؑ پاؤں کی طرف سے اور پھر جناب جبرئیلؑ نے فرمایا: مبارک ہو تھیں اے فرزند ابوطالبؑ کہ خداوند متعال آپ کے ذریعہ ملائکہ پر فخر کررہا ہے۔ اور پھر اسی حالت میں جب رسولِ خداؐ مدینہ کے راستہ میں تھے، یہ آیت نازل ہوئی: ''و من الناس من یشری نفسہ'' اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی جان کو اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے حصول کے لیے فروخت کردیتے ہیں۔

بے لوث خیرات

حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام نے ایک فقیر درویش کو دیکھا، آپ نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے اور تو کس کا فرزند ہے؟ فقیر نے عرض کیا: میرا نام فلاں ہے، اور میں فلاں شخص کا فرزند ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہوا کہ آپ آگئے۔ بہت دنوں سے میں آپ کی تلاش میں تھا۔ چاہتا تھا کہ آپ ملیں۔ کیونکہ میں نے اپنے والد بزرگوار کی یادداشتوں میں دیکھا ہے، وہ آپ کے چند درہموں کے مقروض تھے۔ میں چاہتا ہوں اپنے والدگرامی کا قرضہ واپس کرکے ان کا قرض ادا کردوں۔ آپ نے اس درویش کی امداد کا یہ طریقہ اختیار فرمایا، تاکہ وہ آپ کی امداد کو قرضہ سمجھے۔ اور لوگوں میں اسے یہ مال لیتے ہوئے شرم محسوس نہ ہو۔

آبرومندی باعث اعتماد

شیخ زین العابدین علماء میں سے بزرگ عالم دین اور لوگوں میں زیادہ عزت و آبرو کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مالدار ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ وہ ایران کے شہر مازندران سے ہجرت کرکے عراق کے شہر سامراء چلے گئے۔ وہاں خدمت علم و دین میں مصروفِ عمل ہوگئے۔ شدید مریض ہوئے۔ انہی دنوں عالم بزرگوار آقائے میرزا شیرازیؒ ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ ان کی دلجوئی فرمائی اور تسلی دی۔ جناب شیخ زین العابدینؒ نے جو کہ اپنے دل میں احساس کررہے تھے کہ قریب المرگ ہوں۔ فرمایا: مجھے صرف ایک پریشانی دامن گیر ہے کہ اگر امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف مجھ سے پوچھیں کہ اے زین العابدین! ہم نے اپنی خصوصی توجہات سے تجھے لوگوں کی نظروں میں آبرو دی تھی اور اعتماد عطا فرمایا تھا، جس کی وجہ سے لوگ آپ کو قرض دینے کے لیے آمادہ رہتے تھے اور اعتبار کرتے تھے۔ پس کیونکر تو نے قرضہ زیادہ نہ لیا، اور دین کے لیے کام نہ کیا۔ فقراء و مساکین کی حاجت روائی نہ کی؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟

جناب میرزا شیرازیؒ پر اس بات کا اس قدر اثر ہوا کہ جونہی واپس تشریف لائے جو کچھ گھر میں موجود تھا مستحق لوگوں میں تقسیم کردیا۔

☆ الحاج چوہدری دلاور حسین باجوہ صاحب صدر تحریک تحفّظ تعلیماتِ محمدؐ و آلِ محمدؑ کی ہمشیرہ رضائے الٰہی سے چک نمبر ۸۴ ایس بی ضلع سرگودھا میں وفات پاگئی ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو اجر و صبر سے نوازے۔
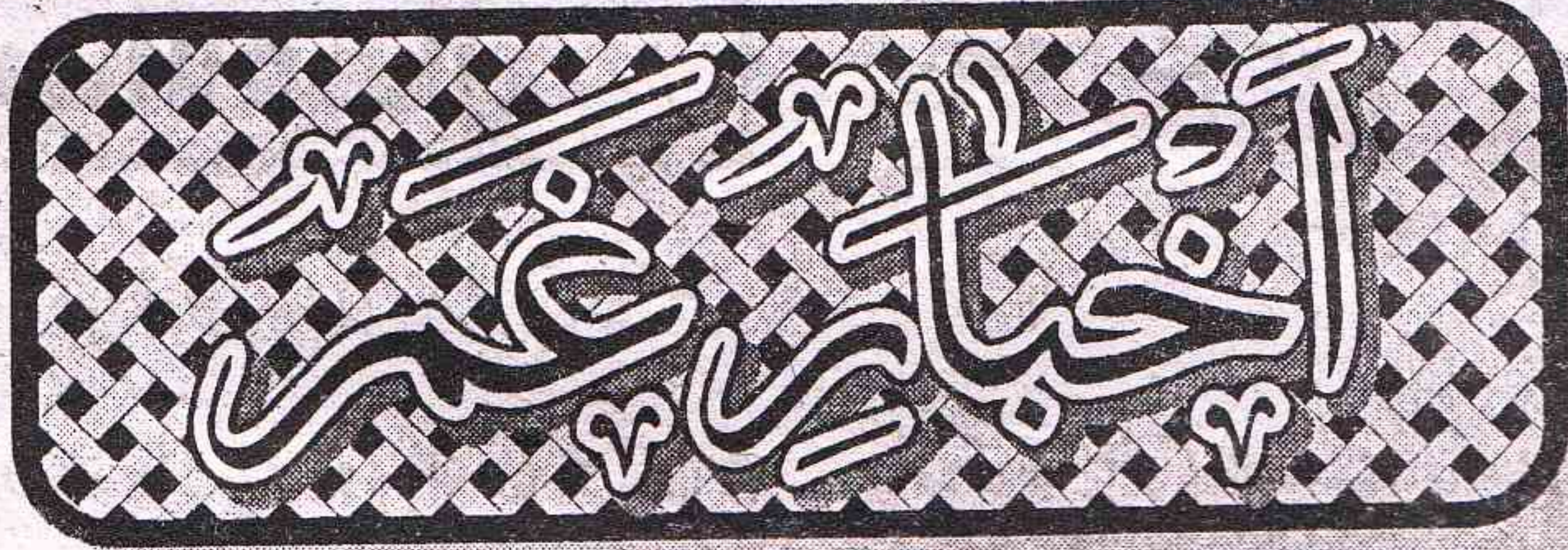
☆ جناب الحاج محمد اللہ خان صاحب اور قومی رہنما حمید اللہ خان صاحب کے برادر زمرد خان چک نمبر ۳۶ شمالی میں وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ جامعہ علمیہ سلطان المدارس کے مدرس جناب مولانا رانا محمد نواز صاحب کے سسر موضع دھیروال ضلع سرگودھا میں وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ باب التفسیر

فاذا قضیتم الصلوة ...... الآیة

نمازِ خوف پڑھنے کی ترکیب بتانے کے بعد یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب نماز فریضہ کو اس مخصوص طریقہ پر ادا کر چکو اور ظاہر ہے کہ اس میں سکون و اطمینان نام کی کوئی چیز نہیں تھی، تاہم ادا ہو گئی، تو اب نوافل اور دیگر ذکر و اذکار کرو، اور جس طرح بھی ممکن ہے کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے خدا کو یاد کرو۔ اس کا ذکر کرو، اور دشمن پر فتح و نصرت حاصل کرنے کی دعا کرو کہ ان چیزوں کا کوئی خاص وقت اور کوئی مخصوص کیفیّت نہیں ہے۔ ہاں البتہ جب تم دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ اور ہر قسم کے اضطرار اور حالت خوف کا خاتمہ ہو جائے تو پھر پوری حدود و قیود، پورے سکون و طمانیت اور پورے آداب و کیفیات کے ساتھ نماز ادا کرو۔

بقیہ باب العقائد

استدعا امام زمانہؑ تک پہنچائی۔ ناحیہ مقدسہ سے جواب صادر ہوا: ہم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ ان کی موجودہ بیوی کے بطن سے اولاد نہ ہوگی۔ ہاں عنقریب ان کو ایک دیلمیہ کنیز ملے گی جس سے ان کو خدائے عزو جل دو فقیہ بیٹے عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ دو بیٹے محمد بن علی (معروف بہ شیخ صدوقؒ) اور ان کے برادر معظّم شیخ حسین بن علی متولد ہوئے۔ (فوائد رضویہ جلد ۲ صفحہ ۵۶۱ الکلام یجر الکلام جلد ۱ صفحہ ۹۶ وغیرہ)

بقیہ باب الاعمال

ہوسکتیں) تاکہ اسے خداوند عالم کا روحانی قرب حاصل ہوسکتے ہیں، جس پر سعادت دارین اور فلاح کونین کا حصول موقوف ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنی ابدی زندگی کو سنوارنا چاہتا ہے اور خوشنودی خدا کا پروانہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو عبادت کے ذریعے تقویٰ و طہارت حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔

"اما من کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً"۔

عبادت کے اقسام

اگر تمام اسلامی عبادات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔

① محض بدنی عبادات (جس میں صرف بدن کے حرکات کو دخل ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ)

② محض مالی عبادات (جس میں صرف مال کے خرچ کرنے کو دخل ہے جیسے زکوٰۃ، خمس اور کفارات وغیرہ)

③ بدنی و مالی عبادات (جس میں بدن اور مال ہر دو کو دخل ہے جیسے حج اور جہاد وغیرہ)

Registered No. (G) H.C/722

اسوہ کالج اسلام آباد کا اعزاز

فیڈرل بورڈ میٹرک کے امتحان میں تیسری پوزیشن

فیڈرل بورڈ میں شاندار نتائج کا حامل کیڈٹ کالج کی طرز کا ایک مکمل اقامتی ادارہ

فیڈرل بورڈ کے نتائج 2014	Position in FBISE	GPA	A	A-1	Appeared
	3rd Among 893	5.98/6.00	1	49	50

پہلی دس پوزیشنز حاصل کرنے والے ہونہار طلباء

(1st) Yahya 1020 (97.14%) Gawadar (Balochistan)

(2nd) S.Mushahid Hussain 1008 (96.00%) Parachinar

(3rd) Assad Abbas 1004 (95.62%) Gilgit

(4th) Rohullah 1003 (95.52%) Skardu

(5th) Bahar Ali Raza Jan 1002 (95.43%) Kohat

(6th) Muzammil Ali 999 (95.14%) Gilgit

(6th) S.Waqar Ali Kazmi 999 (95.14 %) AJK

(7th) Azizullah Jan 998 (95.05%) Parachinar

(8th) S.M.Aqeel Rizvi 994 (94.67%) Skardu

(9th) S.Mubashir Hussain 993 (94.57%) Gilgit

(10th) Hassan Abbas 991 (94.38%) Gilgit

داخلہ برائے ساتویں جماعت

اہلیت ☆ چھٹی جماعت پاس (ساتویں جماعت کیلئے) اور ساتویں جماعت پاس (آٹھویں جماعت کیلئے) یا ادارے کے سربراہ کی طرف سے ہوپ سرٹیفکیٹ ☆ عمر یکم اپریل 2015 کو 11 سے 13 سال تک (ساتویں جماعت کیلئے) اور 12 سے 14 سال تک (آٹھویں جماعت کیلئے) ☆ طبی لحاظ سے صحت مند

انٹری ٹیسٹ، انٹرویو اور طبی معائنہ تحریری امتحان، ریاضی، انگلش، سائنس اور اردو (انشاءاللہ) بتاریخ 23 مارچ 2015ء صبح 9:00 بجے بمقام اسوہ کالج اسلام آباد، اسوہ پبلک سکول سکردو، العصر پبلک سکول گلگت اور اسوہ پبلک سکول پاراچنار میں منعقد ہوگا۔

☆ کالج پراسپیکٹس، داخلہ فارم اور نمونہ کے امتحانی پرچہ جات اسوہ کالج اسلام آباد، متعلقہ امتحانی سینٹر، اسوہ ڈائریکٹوریٹ نزد جامعہ اہلبیتؑ اسلام آباد، الصادق لائبریری اسلام آباد اور الفلاح ویلفیئر ٹرسٹ قومی مرکز 15 شاہ جمال لاہور سے 15 جنوری 2015 سے حاصل کیے جاسکتے ہیں یا کالج ویب سائٹ سے بھی ڈاؤن لوڈ کیے جاسکتے ہیں۔

تحریری امتحان 23 مارچ 2015ء

داخلہ فارم بمعہ انٹری ٹیسٹ فیس (ناقابل واپسی) کے جمع کرانے کی آخری تاریخ 15 مارچ 2015 ہے۔

F.Sc کے بعد کالج سے پاس آؤٹ ہونے والے چھ بیچز کے 304 طلباء کی ملک کے نمایاں پیشہ وارانہ اداروں میں اب تک کی داخلہ کی تفصیل

شعبہ	انجینئرنگ	میڈیکل	چارٹرڈ اکاؤنٹنسی	مسلح افواج میں کمیشن	مرچنٹ نیوی	بائیوٹیکنالوجی/فارمیسی	ڈی۔وی۔ایم	بی ایس آنرز	بی۔اے/بی۔ایس۔سی	میزان
تعداد	132	30	05	09	03	13	09	05	26	232

نوٹ:۔ آٹھویں جماعت کی محدود نشستوں کے لئے بھی فارم وصول کیے جائیں گے۔

ہونہار طلباء کو وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔

Printed at: Al-Jawad Rwp. 0333-5115311

سیف علی ایجوکیشنل کمپلیکس جاپان روڈ سہالہ اسلام آباد

فون نمبرز 051-4486267, 051-4485611
0333-5278314, 0311-2200036, 0300-5205900

ای میل uswacollege@gmail.com
ویب سائٹ: www.uswacollege.edu.pk

الخطاط کمپیوٹرز 0307-6719282